امام احمد رضا محدّث بریلوی کا

عظیم اصلاحی منصوبہ

ڈاکٹر محمد ہارون
چیئرمین رضا اکیڈمی، انگلستان

ترجمہ

ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی
ڈائریکٹر الرضا اسلامک سینٹر بریلی

ادارۂ مسعودیہ
۵/۲، ۵۔ای، ناظم آباد، کراچی اسلامی جمہوریہ پاکستان، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

امام احمد رضا محدث بریلوی (۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) عالم اسلام کے عظیم مدبر تھے۔ آپ کے تدبر اور دور اندیشی کا اندازہ اس مقالے سے لگایا جاسکتا ہے جو کلکتہ سے موصول ہونے والے حاجی منشی لعل خاں کے سوالات کے جواب میں آپ نے قلم بند فرمایا۔ یہ مقالہ "تدبیر فلاح و نجات و اصلاح" کے عنوان سے حسنی پریس' بریلی (۹ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء) سے شائع ہوا۔ سوالات یہ تھے:۔

(۱) مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟

(۲) ترکوں کی امداد کا کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟

امام احمد رضا نے ان سوالات کا بڑا مدبرانہ جواب عنایت فرمایا جو قابل مطالعہ ہے۔ راقم نے اس مقالے کی اہمیت کے پیش نظر پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی' سابق ناظم تعلیمات حیدر آباد ریجن (سندھ۔ پاکستان) سے اس مقالے پر کام کرایا۔ موصوف کونکز یونیورسٹی' کینیڈا سے معاشیات میں ایم۔ ایس۔ سی ہیں اور معاشیات کے ماہر استاد ہیں۔ فاضل موصوف کا مقالہ بعنوان "فاضل بریلوی کے معاشی نکات جدید معاشیات کے آئینے میں" مرکزی مجلس رضا' لاہور نے ۱۹۷۷ء میں شائع کیا۔ اس مقالے کی بے حد پذیرائی ہوئی اور بکثرت ایڈیشن شائع ہوئے۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا' کراچی نے پروفیسر ایم۔ اے قادر (سابق پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج' سکھر) سے اس مقالے کا انگریزی میں ترجمہ کرایا جو بعنوان

Economic Guide Lines For Muslims

ادارہ مذکور نے شائع کیا۔ اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ اسی ادارے نے اس مقالہ پر عربی میں ڈاکٹر محمد جلال الدین نوری (استاذ شعبۂ معارف اسلامیہ کراچی یونیورسٹی) کا رسالہ "الخطوط الرئیسیة للاقتصاد الاسلامی" علامہ محمد ابراہیم خوشتر صدیقی نے سنی رضوی سوسائٹی انٹرنیشنل (جنوبی افریقہ) کی طرف سے ایک ایڈیشن شائع کیا۔ انگریز نو مسلم ڈاکٹر محمد ہارون نے امام احمد رضا کے اس مقالے پر انگریزی میں ایک فاضلانہ مقالہ قلم بند کیا جو رضا اکیڈمی' انگلستان نے شائع کیا۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (ڈائریکٹر الرضا اسلامک اکیڈمی' بریلی) نے اس انگریزی مقالے کا اردو میں ترجمہ کیا جو ۱۹۹۶ء میں اکیڈمی کی طرف سے شائع کیا۔ ازراہ کرم دو کاپیاں راقم کو بھی ارسال فرمائیں۔ مقالہ کی اہمیت کے پیش نظر ادارہ مسعودیہ' کراچی اس کو شائع کررہا ہے۔ مولائے کریم فاضل مصنف و مترجم اور ناشرین کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین!

احقر محمد مسعود احمد
(کراچی۔ پاکستان)

۲۳ شعبان المعظم ۱۴۱۷ھ
۳ جنوری ۱۹۹۷ء

کچھ مصنّف کے بارے میں

زیر نظر کتاب کے مصنف عالی جناب ڈاکٹر محمد ہارون صاحب نسلاً انگریز ہیں۔ انکی ولادت ۱۹۴۴ء میں لیورپول برطانیہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم لیورپول گرامر اسکول میں حاصل کی۔ بعدہٗ اعلیٰ تعلیم کے لئے کیمبرج یونیورسٹی میں داخل ہوئے جہاں سے انھوں نے ۱۹۶۶ء میں تاریخ میں فرسٹ کلاس آنرز ڈگری حاصل کی۔ کیمبرج یونیورسٹی سے ہی ۱۹۷۰ء میں برطانوی قرونِ وسطیٰ کی تاریخ میں پی، ایچ، ڈی مکمل کیا۔ اس کے بعد سے خود کو مارکسزم، کمیونزم اور بین الاقوامی امور کے عمیق مطالعہ اور تخصص و تحقیق کے لئے وقف کر دیا۔

۱۹۸۰ء میں ڈاکٹر محمد ہارون صاحب نے اسلام قبول کیا اور تب سے ان کی زندگی میں ایک انقلاب آگیا۔ انھوں نے اپنے اسلام قبول کرنے کے بارے میں انگریزی میں ایک کتاب "میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟" لکھی ہے جسے رضا اکیڈمی برطانیہ نے شائع کیا ہے اسلام قبول کرنے کے بعد ان کی تمامتر توجہ اسلامیات، اسلامی تاریخ اور اسلامی سیاست کی طرف مبذول ہو گئی۔

محترم ڈاکٹر محمد ہارون صاحب نے اسلامی نظام تعزیر، عید میلاد النبی، اسلام اور عورت، قرآن کریم، سائنس کے حدود، اسلامی سیاست اور دیگر ملی مسائل اور اسلامی موضوعات پر بیس سے زائد کتابیں اور پچاسیوں مقالات و مضامین تصنیف فرمائے ہیں۔ ان کے کچھ تصانیف کے عربی تراجم بھی ہو چکے ہیں۔ انھوں نے امام احمد رضا فاضل بریلوی پر بھی کافی کچھ لکھا ہے۔

کنزالایمان کی بنیاد پر قرآن کریم کا سلیس تر ترجمہ اور بے داغ تفسیر کی تیاری کر رہے ہیں۔ وہ اسلام کی بحالی کے لئے کوشاں ہیں۔ ڈاکٹر موصوف رضا اکیڈمی برطانیہ کے ڈائریکٹر اور رضا اکیڈمی کے جنرل "اسلامک ٹائمز" کے سرپرست ہیں۔ ڈاکٹر صاحب امام احمد رضا کے سچے عقیدت مند ہیں۔

کچھ اس تصنیف کے بارے میں

ڈاکٹر محمد ہارون، ڈائریکٹر رضا اکیڈمی، برطانیہ

حقیقتاً امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ بیسویں صدی عیسوی کی اہم ترین شخصیات میں تھے۔ آج جبکہ بیسوی صدی ختم ہونے کو ہے، ضروری ہے کہ ان کے نظریات اور کارنامہ تجدید کی روشنی میں عصر حاضر کی آفات سے نمٹنے اور سلگتے ہوئے مسائل کو سرد کرنے کی طرف رخ موڑنا چاہئے۔

امام احمد رضا کی اہمیت پرکھنے اور لکھنے کے لئے ویسے تو بہت کچھ ہے۔ لیکن فی الحال زیر نظر کتاب کے توسط سے عالم انسانیت کے لئے ان کے نظریات کی حقیقی قدر و قیمت کی ابتدا کی جا رہی ہے۔

امام احمد رضا کی شخصیت اس لئے بھی اہم ہے کہ وہ ۱۴ ویں صدی ہجری کے مجدد اعظم تھے۔ اور انھوں نے خدائے لم یزل کے فرمان کے مطابق انسانوں کو حقیقی مذہب کو زندہ رکھتے ہوئے حقیقی زندگی بسر کرنے میں مدد فرمائی۔ اور آج جبکہ تمام سائنسی منصوبے مصیبت خیز حد تک ناکام ہو چکے ہیں۔ انسانیت کو ان کے نظریات کی سخت ضرورت ہے۔

کتاب کے باب اول میں یہ دکھایا گیا ہے کہ اس سائنس، الحاد، جدید عوامی معاشرے اور یک جماعتی اجتماعیت کے عہد میں روایاتی اسلام کس قدر برمحل اور لازمی ہے۔

باب دوم تا باب آخر اس امر پر بحث کیا گیا ہے کہ امام احمد رضا کا ۱۹۱۲ء کا منصوبہ مسلم کیونٹی کے فروغ کے لئے کس قدر برمحل اور کارآمد ہے۔

آج کی جدید سائنسی ملحدانہ ایک جماعتی اجتماعیت کی تحریک یہ عقیدہ پیش کرتی ہے کہ انسانی زندگی کا مرکز جدید طرز حکومت ہے۔ آج انسان صرف حکومت کے لئے زندگی بسر

کرتے ہوئے دیکھے جا رہے ہیں۔ لیکن امام احمد رضا کا عقیدہ یہ تھا کہ انسانیت کو حکومت کے لئے نہیں بلکہ اللہ عزوجل کے لئے جینا چاہئے۔ اولیت حکومت کو نہیں بلکہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی قوم یعنی امت مسلمہ کو ہے جو دنیا کے مختلف حصوں میں رہتے ہوئے بھی ایک قوم ہے۔

اسی امر کے لئے امام احمد رضا نے ۱۹۱۲ء کا منصوبہ پیش فرمایا کہ مسلمان اسٹیٹ سے احتراز کرتے ہوئے آزادانہ طور پر اپنی اس خوش حال کمیونٹی کی تشکیل کریں اور اسے فروغ بخشیں جہاں تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی بہن کی طرح علماء و صلحاء کی رہنمائی میں فرمان الٰہی کے مطابق اسلامی تہذیب کو زندہ رکھتے ہوئے غلبۂ اسلام کے لئے زندگی بسر کریں۔

یہ منصوبہ ہٹلر اور اسٹالن کے عوامی معاشرہ سے یکسر جداگانہ ایک علیحدہ دنیا کی تعمیر کا منصوبہ ہے جو مسلمانوں کو حکومت پر منحصر اور مرتکز سوسائٹی سے بچاتا ہے جو آج مغرب میں موجود ہے اور جس سے دنیا کی اکثریت متاثر ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ یہ منصوبہ اس قدر انوکھا اور اہم ہے۔ امام احمد رضا کا یہ منصوبہ جدید حکومت اور جدید سائنس کی پیدا کردہ نسلیت پرستی، فرقہ وارانہ تعصب اور اذیت رسانی جیسی بیماریوں سے مسلمانوں کو بچاتا ہے۔ اور اسی سبب سے یہ مسلمانوں اور انسانیت کو ایک نئی شروعات تہذیب اور سیاست، معاشیات، سماج اور مذہب میں ایک ترقی پذیر راستہ پیش کرتا ہے۔

اس کتاب کے ابواب خود بولتے ہوئے ہیں اور مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں! قارئین کو اس کتاب میں پیش کردہ نظریات کی گہری اہمیت پر غور کرنا چاہئے۔

امام احمد رضا غیر معمولی ذہین انسان اور اسلام کے مجدد تھے۔ رضا اکیڈمی نے ان کے رسائل اور ان پر لکھی گئی کتابوں کی اشاعت کی ہے۔ بطور ضمیمہ یہ رسالہ حاضر خدمت ہے۔

اس رسالہ کی تیاری میں حصہ لینے والے احباب بالخصوص ایم، آئی کشمیری، افضل حبیب، محمد طاہر خاں اور عمر میر صاحبان شکریے کے مستحق ہیں۔

مقدمہ

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی

۱۴ ویں صدی ہجری کے مجدد اسلام امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز (ولادت: ۱۸۵۶ء۔ وصال: ۱۹۲۱ء) نے جو کچھ کہا، لکھا اور کیا صرف غلبۂ اسلام اور فلاحِ ملت کی خاطر ہی کہا، لکھا اور کیا۔ غلبہ اسلام اور تجدید دین و ملت ہی کے حوالے سے انھوں نے ستر کے قریب نقلی اور عقلی علوم و فنون پر ایک ہزار سے زائد کتب و رسائل تصنیف فرمائے اور ہر علم و فن کو تحقیق کی نئی جہتوں سے آشنا کیا۔ ان کی ہر تصنیف کا لفظ لفظ سچائی کا آئینہ اور حرف حرف معتبر ہے۔ اور ان کی ہر تصنیف سے ان کے کارنامۂ تجدید کے خورشید کی شعاعیں پھوٹتی نظر آتی ہیں۔

۱۹۱۲ء میں اس بڑی برکتوں والی ذات امام احمد رضا نے ایک رسالہ بنام "تدبیر فلاح و نجات و اصلاح" تصنیف فرمایا تھا جو بشکل تمام آٹھ دس صفحات پر مشتمل ہے۔ لیکن اس کے کیف کا عجیب عالم ہے۔ یہ رسالہ ملت اسلامیہ کے وقار و کامرانی اور فلاح و نجات کا ایک سدا بہار ضابطہ، ایک سیدھا سچا راستہ بلکہ یوں کہئے کہ ایک نسخۂ کیمیا ہے۔

انھوں نے زیر نظر رسالہ میں جو چار نکات تجویز فرمائے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ باستثناء ان معدود باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے۔ اپنے سب مقدمات اپنے آپ فیصل کرتے۔

۲۔ اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہتا۔ اپنی حرفت و تجارت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے۔

۳۔ بمبی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدر آباد وغیرہ کے تونگر مسلمان اپنے بھائی مسلمانوں کے لئے بینک کھولتے۔

۴۔ دین کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہ کر علم دین کی ترویج و اشاعت اور اس پر عمل۔

امام احمد رضا کے اس رسالہ پر جو پہلا باقاعدہ تحقیقی جائزہ سامنے آیا تھا وہ تھا جناب پروفیسر رفیع اللہ صدیقی کا مقالہ "فاضل بریلوی کے معاشی نکات جدید معاشیات کے آئینے میں"

(مطبوعہ: مرکزی مجلس رضا، لاہور ۱۹۷۶ء)

پروفیسر رفیع اللہ صدیقی رقم طراز ہیں:۔

"جدید اقتصادی نظریات کی ابتداء ۱۹۳۰ء کے بعد سے ہی ہوئی اور یہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے کہ نگاہِ مردِ مومن نے ان جدید اقتصادی تقاضوں کی جھلک ۱۹۱۲ء میں ہی دکھا دی تھی۔"

(فاضل بریلوی جدید معاشیات کے آئینے میں، ص ۱۰، ۱۱)

پروفیسر موصوف مزید تحریر فرماتے ہیں:۔

امام احمد رضا کا علم، علم لا ثانی تھا اور وہ ہر شئے کو مومنانہ فراست اور نگاہِ ولایت سے دیکھتے تھے۔ کاش امام احمد رضا کے عہد کے مسلمانوں نے ان کے نظریات پر عمل کیا ہوتا! لیکن امام احمد رضا کا نظریہ اس عہد سے لیکر آج تک کے اور آئندہ ادوار کے تمام مسلمانانِ عالم کے لئے ایک لائحہ عمل ہے جس پر کسی وقت بھی عمل کر کے مسلمان اپنا کھویا ہوا مقام اور وقار حاصل کر سکتے ہیں۔

پروفیسر رفیع اللہ صدیقی کے بھرپور مگر ایک زاویائی جائزے کے بعد دوسرا بھرپور اور وسیع، دانشورانہ اور محققانہ جائزہ جو نظر آیا ہے وہ ہے جناب ڈاکٹر محمد ہارون صاحب ڈائریکٹر رضا اکیڈمی اسٹاک پورٹ انگلینڈ کا انگریزی زبان میں ۵ مقالات پر مشتمل جائزہ۔ یہ مقالات رضا اکیڈمی کے ترجمان ماہنامہ اسلامک ٹائمز اسٹاک پورٹ، انگلینڈ کے شماروں نومبر ۱۹۹۵ء، جنوری، مارچ، اپریل، مئی ۱۹۹۶ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ جن کی اہمیت کے پیش نظر مختلف رسائل و جرائد نے انھیں

قسط وار شائع کیا ہے اور اب کتابی شکل میں پیش خدمت ہے۔

راقم السطور عزیزی نے ان مقالات کا اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اب یہ پانچوں مقالات یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کئے جا رہے ہیں۔

جناب ڈاکٹر محمد ہارون صاحب نے اپنے خیالات کے توسط سے امام احمد رضا کے معاشی، سیاسی، سماجی اور تہذیبی نظریات اجاگر کئے ہیں۔ انھوں نے منصوبہ رضا کو ہر عہد اور ہر ملک کے مسلمانوں یہاں تک کہ عالم انسانیت کے لئے ایک کلید اور فلاح و نجات کا واحد راستہ بتایا ہے اور اسی سے امام احمد رضا کی شان تجدید کو واضح کر دیا ہے۔

اس جائزے میں ڈاکٹر موصوف نے دکھایا ہے کہ:

۱۔ چونکہ ہندوستان اور برطانیہ میں لبرل اسیکولر اسٹیٹ قائم ہے۔ لہذا وہاں منصوبہ رضا پر باآسانی عمل کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ مسلم ممالک میں اس پر عمل بہت آسان ہے اور مسلمان اس پر عمل کر کے مشترکہ مسلم منڈی اور بین الاقوامی تجارت کو فروغ دے سکتے ہیں۔ اور معاشی طور پر مضبوط ہو کر مغربی طاقتوں کو اسلامی حکومتوں میں دخل اندازی سے روک سکتے ہیں۔ اور انھیں جھکا سکتے ہیں۔

۳۔ الجزائر میں یہ منصوبہ ناکام اسٹیٹ کو کامیابی سے ہمکنار کر سکتا ہے۔

۴۔ مسلمان کسی سیاسی تحریک اور غیر مسلم ممالک میں سیاسی دخل اندازی اور اپنی سیاسی پارٹی کے قیام کے بغیر بہت تھوڑی سیاسی سرگرمی سے اپنا وقار دوبارہ بحال کر سکتے ہیں۔

۵۔ مسلمانوں کو گورنمنٹ سروس کے پیچھے بھاگنے کے بجائے حرفت و تجارت پر بھرپور توجہ دینی چاہئے اور برداشت و حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے خود کو مستحکم کرنا چاہئے۔ مدرسہ، مسجد اور خانقاہ کے ذریعہ تبلیغی مشن، علم دین اور طریقت کو فروغ دینا چاہئے۔ اور رفاہی، فلاحی و خیراتی اداروں کو

پروان چڑھانا چاہیے۔

۶۔ مسلمانوں کو مسلم اور غیر مسلم آئی لینڈ کو پروان چڑھانا چاہیے۔ جہاں دین اور علماء و صلحاء کی حکمرانی اور قیادت ہو۔

۷۔ امام احمد رضا کا ہر نکتہ مذہب سے ہی ہم آہنگ ہے اور مذہب ہی سے مرتکز ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے یہ بڑی پیاری بات کہی ہے کہ اس منصوبہ پر کوئی بھی مسلمان آج سے یا ابھی سے یا جس وقت سے چاہے عمل کر سکتا ہے۔ عمل کرنے پر کامیابی ضرور ملے گی۔ انھوں نے مثالوں کے ذریعہ بھی اس پروگرام پر عمل کرنے کا طریقہ بتایا ہے جیسے "کوئی مسلم خاتون یہ طے کر کے کہ وہ آج سے مسلم دوکاندار سے سودا خریدے گی اس پروگرام پر عمل کر سکتی ہے یا کوئی مسلم خاندان یہ سوچ کر مسلم محلہ میں گھر بناتا ہے کہ اس طرح اس کا تعلق مسجد، مدرسہ اور اپنی قوم سے رہے گا، بھی اس منصوبہ پر عمل کر سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔"

ڈاکٹر موصوف نے یہ کہہ کر :۔ "آزاد اور خود مختار سیاسی، سماجی، معاشی اور تہذیبی شعبہ ہائے زندگی کے ذریعہ قوم کی تشکیل کر کے جو عالم گیر سطح پر عملی کاروائی کے لئے مستحکم ہو سکے، ہی کا نام تجدید اسلام ہے۔" ثابت کر دیا ہے کہ امام احمد رضا نے ہر اعتبار سے دین و ملت کی تجدید کا کارنامہ انجام دیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے ثابت کر دیا ہے کہ مسلم قومیت کی تشکیل ہر شعبۂ زندگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر مشروط اور مخلصانہ وفاداری سے ہی ہو سکتی ہے۔

قارئین سے گزارش ہے کہ زیر نظر رسالہ پر اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔

۱۹۱۲ء میں پیش کردہ امام احمد رضا کے چار نکاتی پروگرام کی اہمیت

امام احمد رضا نے ۱۹۱۲ء میں مسلمانوں کی بحالی کے لئے جو چار نکاتی پروگرام پیش فرمایا تھا' وہ بڑی اہمیت کا حامل ہے اور نہایت ہی جامع اور مؤثر منصوبہ ہے۔ جس پر مسلمانوں کو عمل کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں!

۱۹۱۲ء میں مسلمانوں کی ہولناک حالت کے بارے میں امام احمد رضا سے سوال کیا گیا تھا مغرب "سلطنت عثمانیہ" کو بری طرح مغلوب کر رہا تھا۔ بہت سے مسلمان سلطنت عثمانیہ کی امداد کے سلسلے میں اسے مالی اعانت بہم پہنچانے اور مغرب (برطانوی حکومت) سے مقاطعہ کا مطالبہ کر رہے تھے۔

امام احمد رضا نے کئے گئے سوال کے جواب میں مسلمانوں کے فلاح و نجات اور اصلاح کے لئے ایک منصوبہ بھی پیش فرمایا اور یہ صراحت بھی کر دی کہ ان کی موجودہ کوششیں سود مند نہیں۔ مقاطعہ کارآمد نہیں ہوگا۔ اس وقت تو امام احمد رضا کی باتوں پر لوگوں نے سنجیدگی سے غور نہیں کیا۔ ترکوں کی امداد کے لئے جمع کردہ رقم ناکافی تھی اور اس کا بیشتر حصہ مسلم سیاست داں اپنے کیریر پر صرف کر رہے تھے اور حقیقتاً غیر ملکی مسلمانوں کے واسطے کچھ نہیں کر رہے تھے۔

امام احمد رضا نے مزید فرمایا کہ سلطنت عثمانیہ کو زیادہ سے زیادہ رقم اور مدد بھی چاہیئے۔ لیکن امت مسلمہ کی بحالی اور فلاح و نجات کی یہ اصل کلید نہیں تھی بلکہ وہ اس سے مختلف ہے۔

امت مسلمہ کی فلاح و نجات اور اصلاح کا اصل راستہ تھا۔ قدوقامت' خود مختاری اور اسلامی تہذیب کے ساتھ اس کی تنظیم و تعمیر اور وہ تھا امام احمد رضا کا

چار نکاتی پروگرام ! علاوہ اس کے کسی اور کام کی سعی لاحاصل تھی۔ اس لئے کہ قوم کمزور تھی، غلام تھی، مقاطعہ یا مشترکہ ذمے داری کے مہم یا مالی عطیات کارآمد نہیں تھے جب کہ قومی تنظیم ہی نہ ہو۔ ایک منظم اور طاقتور قوم ہی کے ساتھ یہ تمام کوششیں موثر تر ثابت ہوسکتی ہیں اور بلاشبہ اسلامی تہذیب میں ڈھال کر ایک طاقت ور اور خود مختار قوم کی تعمیر و تنظیم ہی جدید اسلام ہے۔ حقیقی مسلم قوم کے سوا اور اسلام کیا ہے ؟ اگر امت مسلمہ مضبوط اور طاقت ور ہے' اسلام مضبوط اور طاقت ور ہے۔

امام احمد رضا کا چار نکاتی پروگرام سادہ اور آسان تھا۔ اول یہ کہ مسلمانوں کو حکومتی امور عدالت سے قطع نظر کرکے (احتراز کرتے ہوئے) اپنے معاملات شریعت کی روشنی میں باہم فیصل کرنا چاہئے جس کا نتیجہ ہوگا سیاسی خود مختاری اور اسلامی سیاسی قیادت کا ارتقاء۔

انگریزوں کی ہندوستان میں آمد سے قبل مسلمانوں کی قیادت کی باگ ڈور علماء کے ہاتھوں میں تھی اور وہ شریعت پر عمل پیرا تھے لیکن استعماری حکومت نے علماء کی اس قیادت کو ختم کر دیا۔ برطانوی ہندوستان میں علماء کے جاری کردہ شرعی نظام کی جگہ اینگلو محمڈن قانون اور خالص سیکولر آئین والی برطانوی کچہریوں نے لے لی۔

اگر مسلمان برطانوی نظام سے احتراز کرتے تو علماء اور شریعت کی پشت پناہی میں رہتے۔ مسلمانوں کے اصل قائد تو علماء اور مشائخ ہیں۔ امام احمد رضا کی تجویز کردہ خود مختاری و آزادی انھیں حکم شریعت کی پشت پناہی میں رکھتی۔ امام احمد رضا کے چار نکاتی پروگرام کا دوسرا حصہ تھا مسلمانوں کا غیر مسلم معاشیات سے احتراز اور اپنی آزادانہ معاشیات کی تعمیر اور بحالی۔ انہوں نے فرمایا کہ مسلمان کو آپس ہی میں خرید و فروخت اور لین دین کرنی چاہیئے۔

ہندوستان میں سرمایہ دارانہ نظام کے تحت مسلمانوں کا شیرازہ بکھیرا جا رہا تھا۔ وہ ایک قوم ہونے کے باوجود معاشرہ میں منتشر کیے جا رہے تھے اور تجارتی امور میں غیر مسلمانوں سے خلط ملط ہو رہے تھے۔ اس طرح امتِ مسلمہ بتدریج زوال پذیر

ہو رہی تھی۔

اگر مسلمان مسلمانوں سے ہی خرید و فروخت کرتے تو قوم کو بحالی حاصل ہوتی اور وہ مضبوطی کے ساتھ اتحاد میں بندھے رہتے۔ امام احمد رضا کے چار نکاتی پروگرام کا تیسرا جزو تھا "اپنے آزادانہ بنکاری نظام کا قیام!" سرمایہ دارانہ نظام کے تحت مسلمان ذاتی اور تجارتی غرض کے لئے سرمایہ داروں اور بینکوں سے قرض لیتے تھے۔ نتیجتہً تجارت پیشہ طبقہ انتشار میں مبتلا تھا۔ مسلمانوں کے لئے اپنے کسی معاشی نظام کا وجود نہیں تھا۔

امام احمد رضا نے یہ تجویز بھی پیش فرمائی تھی کہ اسلام میں قانون کی رو سے غیر سودی اسلامی بینک کا قیام ممکن تھا اور اس کو ضروری سمجھ کر پروان چڑھانے (ترقی دینے) کی سفارش بھی کی تھی۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ مسلمان ایک دوسرے سے مل کر کام کرتے اور حقیقی خود مختاری اور معاشی طاقت حاصل کرتے۔

امام احمد رضا کے پروگرام کے دوسرے اور تیسرے نکات پر عمل پیرا ہونے سے مسلمان باہم کام کرتے ہوئے ترقی پذیر ہوتے اور بحیثیت قوم حقیقی زندگی بسر کرتے۔ اس طرح یہ علماء اور مشائخ کی قیادت فرمائی کی ایک سچی قوم ہوتی۔

اس طرح امام احمد رضا کے منصوبے کا چوتھا جزو بھی سادہ تھا۔ "مسلمانوں کو علم دین اور اسلامی تہذیب کو پروان چڑھانا چاہئے تھا" تاکہ قوم سیاسی اور معاشی معاملات میں خود مختار ہوتی۔ اس طرح وہ زیادہ سے زیادہ اسلامی ہوتی۔

علماء کو بہر قیمت ہر چیز پر فوقیت دیتے ہوتے اسلامی تہذیب کی نشو و نما اور شریعت پر مبنی اسلامی زندگی کی تشکیل کی رہبری کرنی چاہئے۔ برطانوی ہندوستان میں مسلمان باآسانی اسلامی تعلیم سے دست بردار ہو رہے تھے۔ تعلیم یافتہ سیکولر اسکولوں اور یونیورسٹیوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وہ علماء سے دینی تعلیم حاصل کرنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ یہ بات قوم کو ایک دوسرے سے جدا کر رہی تھی۔

امام احمد رضا نے اس کا جواب علم دین کی ترویج و اشاعت اور اسلامی تہذیب کی نشو و نما میں دیکھا۔ اس طرح امام احمد رضا کا منصوبہ تھا۔ قوم کی خود مختارانہ سیاسی، معاشی اور تہذیبی تکمیل، و تنظیم اور یہی تھی اسلام کی تجدید اور اس طرح قوم بین الاقوامی

سطح پر عملی کارروائی کے لئے طاقت ور بن جاتی۔

اب امام احمد رضا حقیقتاً یہ تجویز فرما رہے تھے کہ اسلامی معاشرہ ایک جزیرہ کی حیثیت سے پروان چڑھے اور اس جزیرہ میں (اس علیحدہ اسلامی دنیا میں) قوم پروان چڑھے۔ مسلمان ایک دوسرے سے مل کر کام کریں۔ اسلام کو ترقی دیں، بحیثیت پیرو اسلام ترقی کریں اور خود اپنے قائد پیدا کریں۔

امام احمد رضا کا یہ منصوبہ کئی وجوہ سے اہم ہے۔

اول یہ کہ مسلمانوں کے لئے یہی واحد منصوبہ تھا جو مؤثر اور کارآمد تھا۔

امام احمد رضا نے یہ منصوبہ اس لئے تجویز فرمایا کیونکہ دوسرے منصوبے مصیبت خیز حد تک ناکام ہو رہے تھے۔ جب برطانوی ہندوستان آکر یہاں کے حکمراں بن بیٹھے تو بہت سے مسلمانوں نے سوچا کہ قوم سے علیحدہ ہو کر کفری ملت میں شمولیت اختیار کر لینا درست منصوبہ تھا۔ انھیں امید تھی کہ اس طرح وہ بہتر حالت میں رہیں گے۔ اچھی ملازمتیں حاصل کر لیں گے۔ کافر معاشرہ میں اونچا مقام پاکر برطانوی حصہ دار کی حیثیت سے سماج کے لیڈر بن جائیں گے۔ بعد میں آزاد ہندوستان میں ایسے ہی لوگوں نے سوچا کہ وہ ہندوؤں کے برابر حقوق حاصل کر لیں گے۔ آج برطانیہ میں ایسے ہی لوگ سوچتے ہیں کہ وہ برطانوی حکمراں طبقے کے رکن بن جائیں گے۔ معاشرہ میں بلند مقام کے حصول کی خاطر یہ لوگ انگریزی تعلیم کے لئے سودائی ہو رہے تھے۔ ان کی نظر میں ان کی اولاد کا گریجوئٹ ہو جانا اشد ضروری تھا تاکہ وہ اچھے عہدے کے ساتھ سماج میں اونچے اٹھ سکیں۔ سر سید احمد خان کے صاحبزادے بھی حصول تعلیم کے لئے کیمبرج گئے۔ لیکن مسترد کر دئے گئے۔ اور شکستہ دل ہو کر موت سے ہمکنار ہو گئے۔ آج ہندوستان میں اس طرح کے خیال سے اگر کوئی مسلمان معاشرہ میں بلند منصب حاصل کرے تو بھارتیہ جنتا پارٹی غضبناک خفگی کا اظہار کرتی ہے۔ آج اس طرح برطانیہ میں برطانوی بھی کسی مسلمان کو بلند عہدہ دینا گوارہ نہیں کرتے مسلمانوں کو ملازمت سے دور رکھا جاتا ہے، انھیں ترقی سے روکا جاتا ہے اور اکثر اوقات وہ ملازمت پاتے ہی نہیں۔ میں اس طرح کے بہت سے مسلم نوجوانوں سے واقف ہوں جن

کے پاس اچھی ڈگریاں موجود ہیں۔ وہ برطانیہ میں بہت ہی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں مگر بے روزگار ہیں۔

۱۹۱۲ء میں امام احمد رضا نے غور کیا کہ مسلمانوں کے ساتھ دانستہ تفریق (تعصب) برتا جارہا ہے۔ امام احمد رضا کا منصوبہ اس مسئلہ کا حل ہے۔ اگر مسلمان اپنی قوم کی تشکیل وتنظیم کریں، اپنوں ہی میں خرید وفروخت کا کاروبار کریں۔ اپنوں ہی کے بہبود اور روزگار کے لئے عمل کریں تو تمام مسلمانوں کی ملازمت اور کیریر کے لئے مواقع فراہم ہوجائیں گے اگر "مسلم بنک" مسلمانوں کو سرمایہ فراہم کریں گے تو باصلاحیت افراد اپنی تجارت وپیشہ کو تشکیل دے کر ترقی کرسکتے ہیں۔

امام احمد رضا کا منصوبہ امتیازی سلوک کو ناممکن بناتا ہے

برطانیہ میں لاکھوں مسلمان ایسے ہیں جن کی مجموعی آمدنی بہت سے مسلم ممالک سے زیادہ ہے۔ اگر مسلمان ایک دوسرے کی مدد کریں تو ہر مسلمان ایک خوشحال اور کامیاب زندگی گزار سکتا ہے۔ مسلمانوں کے لئے بیروزگاری اصل خطرہ نہیں ہے بلکہ اصل خطرہ ہے بھک سے اڑجانے والی تشدد خیز نسلی امتیاز اور فرقہ واریت۔ غیر مسلم مسلمانوں کے اس خیال پر غضبناک ہوتے ہیں کہ وہ بی۔ اے کرکے (گریجوئٹ ہوکر) ملازمت کے لئے ان کے ساتھ مقابلہ آرائی کریں۔ آج بھارتیہ جنتا پارٹی' بی۔ این۔ پی اور نیشنل فرنٹ (قومی مورچہ) کا یہی خفیہ منصوبہ ہے۔

امام احمد رضا کا منصوبہ مسلمانوں کو غیر مسلموں سے مقابلہ آرائی سے باز رکھتا، لیکن انھیں ان کی قوم اور سماج میں ایک جزیرہ (علیحدہ اسلامی معاشرہ) عطا کرتا ہے جس میں وہ باوقار زندگی گزار سکیں۔

آج بوسینا میں مسلمان اس لئے قتل کئے جارہے ہیں کیونکہ سرب اس بات کو منظور نہیں کرسکتے کہ مسلمان ان سے منصب اور عہدہ میں مقابلہ آرائی کریں۔ امام احمد رضا کا منصوبہ نسلی امتیاز کے لئے تریاق ہے۔ کس قدر اہم یہ منصوبہ ہے؟

امام احمد رضا کا منصوبہ اس لئے بھی اہم ہے کہ حکومتی نظام قانون سے احتراز کا درس دیتا ہے۔ امام احمد رضا کے منصوبے کے مطابق مسلمانوں کو حکومتی نظام قانون سے احتراز کرتے ہوئے خود اپنی قیادت کی نشوونما کرنی چاہیئے اور سماج میں تشکیل کردہ اپنے جزیرہ (اسلامی سماج) میں اپنے شرعی نظام کو رائج کرنا چاہئے اور اسے ترقی دینی چاہیے۔

ان مسلمانوں میں بہت سے لوگ جو کفری سماج میں اونچے اٹھنا چاہتے ہیں۔ انھیں حکومتی مدد کی ضرورت پڑتی ہے اور وہ حکومتی نظام پر چلنے پر مجبور ہوتے ہیں اور مساوی حقوق کے لئے آئین کا سہارا لیتے ہیں اور اپنی مدد کی خاطر حکومتی دخل اندازی اور حکومتی سہارا پانے کے لئے قومی ہم آہنگی اور قومی یک جہتی کی ضرورت پڑتی ہے جسے وہ فروغ دینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اور یہ سب نہایت ہی خطرناک' ایک آتش گیر مادہ (ڈائنامائٹ) ہے۔

ہندوستان میں بھارتیہ جنتا پارٹی کی یہی شدید نفرت یا تعصب دراصل مسلمانوں کو حکومتی مدد کے خلاف زبردست احتجاج کا اظہار ہے۔ بی۔ این۔ پی اور عام انگریز کی شدید نفرت یا تعصب اس خوف سے اور بھی برانگیختہ ہوتی ہے کہ حکومت مسلمانوں کو عہدے و مناصب اور قونصل (کونسل) میں برابر کے درجے فراہم کرتی ہے۔ کچھ لوگوں کو شکایت ہے کہ برطانیہ میں مسلمان نسلی امتیاز و فرقہ واریت اور تعصب سے گھرے ہوئے ہیں باڑے میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ یہودی باڑہ (کٹی ہوئی دنیا) حکومت کی مدد سے کافر سماج میں مساوی حقوق وغیرہ کے حصول کی کوششوں کی وجہ سے وجود پذیر ہوا ہے۔

اگر مسلمانوں کی اکثریت نے مسلم قوم کے درمیان زندگی بسر کرنے کا رویہ اختیار کیا ہوتا اور وہ اپنے ہی اسلامی معاشرہ میں رہتے تو ان کے اور دوسروں کے جو وسیع سماج میں رہتے ہیں، کے خلاف غیر مسلموں کے تعصب کے جوش و غضب کا یہ عالم نہ ہوتا۔

کچھ لوگ اس بات کے خواہش مند ہیں کہ برطانیہ میں مسلمان ایک ایسی مضبوط جماعت کی تشکیل کریں جو زور دباؤ ڈال کر کافر سوسائٹی میں ان کے لئے اونچا مقام حاصل کرنے

کا راستہ ہموار کر سکے۔ وہ یہودیوں کی نقل تو کرنا چاہتے ہیں لیکن اس امر کو فراموش کر دیتے ہیں کہ اسی سبب سے ہٹلر نے یہودیوں کا قتل عام کیا تھا۔

آج یہودی وہی کچھ کر رہے ہیں جس سے ان کی قوم معاشرے کے جزیرہ میں ترقی پذیر ہو اور نفرت و تعصب کم سے کم ہوتا چلا جائے۔ ہٹلر نے یہودیوں کا اسی وجہ سے قتل عام کیا تھا کہ وہ عیسائی معاشرہ میں اونچے اٹھنے کی کوشش میں یونیورسٹیوں میں جا رہے تھے اور ملازمتوں اور پیشوں میں داخل ہو رہے تھے۔

امام احمد رضا کا منصوبہ کس قدر تدبر اور ذہانت سے پُر ہے۔ مسلمان حکومتی نظام قانون سے احتراز کرتے ہوئے بغیر کسی نفرت و تعصب اور فرقہ واریت کے خوف و خطر سے اپنے تشکیل کردہ اسلامی سماج میں خوشحال اور پرامن زندگی گزارنے کے لئے آزاد ہوں گے۔

ان دنوں بہت سے مسلمان سوچتے ہیں کہ زیادہ بہتر راستہ ہے اسلامی اسٹیٹ کا نشوونما یعنی مسلمان ایک سیاسی پارٹی کی تنظیم کر کے حکومتی طاقت حاصل کر لیں اور پھر اس اسٹیٹ کے کنٹرول کے ذریعہ خود کو دولت اور طاقت میں اونچے اٹھا لیں۔

لیکن بدقسمتی سے یہ منصوبہ اس قدر خطرناک اور بھک سے اڑ جانے والا ہے کہ بغیر وسائل کے اسے سر کرنا سینکڑوں، ہزاروں بلکہ لاکھوں مسلمانوں کا قتل اور غارت گری ہے۔ سبب آسان ہے۔ غیر مسلم حکومتی طاقت سے مسلمانوں کو بے دخل کرنے کی خاطر لڑنے کے لئے تیار ہیں۔ دراصل جو مسلمان اس اسلامی اسٹیٹ کی تشکیل کے خواہاں ہیں، وہ اپنے سوا دوسرے مسلمانوں کو دولت و طاقت نہیں دینا چاہتے اور وہ لوگ دوسرے مسلمانوں سے نفرت کرتے ہیں اس لئے کہ ہم مسلک و ہم عقیدہ نہیں ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کی اکثریت اس وجہ سے بھی اس طرح کی اسلامی تحریکوں کی تشکیل کی مخالفت کرتی ہے۔

اسلامی اسٹیٹ کے قیام کا امام احمد رضا کا منصوبہ اس سے یکسر مختلف ہے۔ اسلامی معاشرہ یا مسلم جزیرہ کی پالیسی کی حمایت صرف سنی مسلمان اس وقت سے کر رہے تھے جب سے خلافت کا خاتمہ ہوا تھا اور وجہ یہ تھی کہ حکومت اور معاشرہ دونوں اسلامی نہیں تھے۔ اگر سماج

میں مسلم آئی لینڈ (علیحدہ اسلامی سماج) پنپ جاتا تو دھیرے دھیرے بغیر کسی طاقت کے یہ مسلم معاشرہ پھیل بڑھ کر پورے معاشرہ پر چھا جاتا نتیجتاً حکومت اس سے متاثر ہوتی۔ تب اسے علما و مشائخ کی قیادت کو تسلیم کرتے ہوئے شرعی اصول پر عمل پیرا ہونا پڑتا۔

لیکن یہ اسلامی اسٹیٹ مسلمانوں کے لئے غلبہ و حکومت کا وسیلہ نہیں ہوگا بلکہ وہ اسلامی جزیرے میں نشو و نما سے تغلب کے لئے آئیں گے اور گورنمنٹ کو متاثر کریں گے۔ جب انھوں نے معاشرہ میں طاقت کو کچل دینے کا نسخہ تیار کیا تھا۔ امام احمد رضا کا یہ اصول واحد نسخہ تھا جسے تمام عالم اسلام میں منگولوں کے حملے کے سبب خلافت کے خاتمہ کے بعد آزمایا جاتا جس کی وجہ سے سلطنت عثمانیہ اور دوسری مسلم حکومتوں کا ظہور ہوا۔

امام احمد رضا نے بالکل فطری طور پر اس منصوبے کا رخ تبدیل کر دیا جب کہ دنیا میں اسلامی حکومتیں ختم ہو چکی تھیں۔ یہ ترکیب پہلے بھی کارگر ہوئی ہے تو کیا وجہ ہے کہ دوبارہ یہ کارگر نہیں ہوگی اور کیا سبب ہے کہ یہ ترکیب برطانیہ میں کارگر نہ ہو؟ یہ مسلم جزیرہ کوئی یہودی باڑہ نہیں۔ یہودی باڑہ وہ جگہ ہے جہاں لوگ دوسروں سے علیحدہ ہو کر اور لوٹ کر رہتے ہیں۔ اگر اصلیت میں سماج میں مسلم جزیرہ قائم ہوتا تو کوئی بھی اس میں آ کر رہ سکتا تھا۔ مسلمان جو طبقہ یا قوم سے کٹے ہوئے ہیں' وہ بھی اس میں شامل ہو سکتے تھے۔ غیر مسلم بھی مسلمان ہو کر اس میں شمولیت اختیار کر سکتے ہیں اور شادی بیاہ کر سکتے ہیں۔

عالم اسلام کے مسلمانوں کو اکثریت میں ہونے کے لئے صدیاں درکار ہیں۔ برطانیہ میں مسلمان ایک صدی میں اکثریت میں آ سکتے ہیں اور فسطائیت و نسلی تعصب ان سب کو روک دے گی۔ لیکن جیسا کہ میں نے ثابت کیا ہے امام احمد رضا کا منصوبہ اسے زیر کرنے کا بہترین نسخہ ہے۔

امام احمد رضا کا منصوبہ کیسا عجیب و غریب ہے؟

حقیقتاً امام احمد رضا کے منصوبے کو بہت ہی معمولی سیاسی سرگرمی کی ضرورت ہے۔ اس کا مقصد ہے حکومت سے ہٹ کر اپنے اسلامی معاشرہ میں اسلامی زندگی کو پروان

چڑھانا سیاسی اور سماجی زندگی کی آزادی و خود مختاری کے لئے اور مسلمانوں کے لئے مذہبی رواداری کے حصول کے لئے صرف یہی واحد راستہ ہے۔

اسٹالن کے روس جیسے مقام پر امام احمد رضا کا منصوبہ کامیاب نہیں ہوتا جہاں ذرا بھی آزادی نہیں حاصل تھی اور بلاشبہ یہ منصوبہ سربیا جیسے مقام پر بھی کامیاب نہیں ہوگا، جہاں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے۔ لیکن ان کے علاوہ ہر جگہ دنیا کے ہر ملک میں یہ منصوبہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ آج ہم زیادہ سے زیادہ مذہبی رواداری اور سیاسی آزادی والی ترقی پذیر دنیا میں رہ رہے ہیں اور دنیا کی بیماری کا سبب ہے کنبہ پروری، نسلی و علاقائی تعصب اور فرقہ واریت وغیرہ اور اس لئے اس وقت امام احمد رضا کا منصوبہ خاص طور سے برمحل اور اہم ہے اور بلاشبہ اس منصوبہ کو برطانیہ جیسے بے تعصب اور جمہوری روایات والے آزاد پسند مملکت میں بروئے کار لانا بہت زیادہ آسان ہے۔ یہاں یہ ہمارے لئے بھی زیادہ آسان ہے اور عالم اسلام میں ان مسلمانوں کے لئے اسے بروئے کار لانا بہت آسان ہے جو جابرانہ مملکت میں رہ رہے ہیں۔

دوم یہ کہ امام احمد رضا کا منصوبہ مسلمانوں کے لئے اس لئے بھی اہم ہے کہ یہی واحد منصوبہ ہے جس پر عمل کرنا ممکن ہے۔ دوسرا کوئی منصوبہ مسلمانوں کے لئے کارگر نہیں یا!

مسلمان کا اپنی قوم کو چھوڑنے کا نتیجہ سماج میں تلچھٹ کی حیثیت سے رہنا ہوتا ہے تعصب اس قدر زیادہ ہے اور بے روزگاری اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ اعلیٰ قابلیت سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں! وہ مسلمان، جو اسلام سے کٹ جاتے ہیں، ان کے لئے اپنوں میں خوش آمدید کی کوئی توقع نہیں، اور وہ عام طور سے غیر مسلموں سے صرف نفرت اور امتیازی سلوک کے سوا کچھ اور نہیں حاصل کر سکتے اور سوم یہ کہ امام احمد رضا کا منصوبہ اس لئے بھی اہم ہے کہ دنیا میں اس وقت مسلمان حقیقتاً کیا کر رہے ہیں۔

برطانیہ میں مسلمان صرف اپنے مسلمانوں میں ہی وہ جگہ پاتے ہیں، جہاں وہ کام یا ملازمت اور مدد حاصل کر سکتے ہیں۔ ــــــ واحد مقام، جہاں وہ خوش آمدید کیے جا سکتے ہیں وہ اپنا مسلم طبقہ ہی ہے۔ اسلام ہی وہ واحد تہذیب ہے، جو انھیں

برابری کا درجہ دیتا ہے اور خوش آمدید کہتا ہے..... وہ قائد جو مسلمانوں کی مدد کریں گے، صرف علما، اور مشائخ ہیں۔

آج بوسنیائی مسلمان ریفیوجی بنا دئے گئے ہیں۔ ہر جگہ جو طبقہ انھیں خوش آمدید کہتا ہے، وہ صرف طبقۂ مسلم ہی ہے۔ بوسنیائی مسلمان برطانیہ میں مسلمانوں کے درمیان پورے طور سے خوش آمدید کہے جاتے ہیں۔

ایک مسلمان..... مسلم دکانوں، کیفے، مسجدوں اور خانقاہوں سے بھرے ہوئے علاقہ یا ضلع میں بخوبی خوش آمدید کہا جاتا ہے اور اپنے گھر کی طرح محسوس کرتا ہے۔

ایک شخص بی، اے پاس ہے لیکن اسے کوئی نہیں جانتا پہچانتا۔ لیکن ایک شخص اگر نعت خواں ہے، مسلمان اس سے محبت کریں گے۔

بات آسان ہے۔ ہم سب فطری طور پر امام احمد رضا کے منصوبے پر عمل کرنے پر مجبور ہیں۔ ہمیں عمداً اور جان بوجھ کر اس کی پیروی کرنی چاہئے۔ مسلمانوں کو مسلم جزیرہ (اسلامی سماج) کی تشکیل پر غور کرنا چاہئے۔ انھیں مسلمانوں ہی کے درمیان رہنا اور کام کرنا ہے۔ انہیں مسلم پیروں اور عالموں کو اپنا قائد تسلیم کرتے ہوئے ان کی پیروی کرنی چاہئے اور ان کے دامن سے وابستہ ہونا چاہئے۔ انھیں اسلام اور اسلامی تہذیب کے مطالعہ اور اس میں رچ بس جانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

جدید معاشرے کے تمام مشکلات مسلم جزیرہ (مسلم سماج 'اسلامی دنیا) حل کر سکتا ہے۔ جیسا کہ تعصب اور نسلی امتیاز کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ یاد رکھئے کہ مسلم قوم یا امت مسلمہ بذات خود ایک بین الاقوامی اور مختلف برادریوں پر مشتمل قوم ہے۔ جس کا انحصار رنگ و نسل پر نہیں ہے بلکہ بحیثیت مجموعی ایک قوم ہے۔ ؏

"مسلم ہیں ہم وطن ہیں سارا جہاں ہمارا"

گھریلو حادثے اور عام بے روزگاری کے سبب علیحدگی بھی ایک مسئلہ ہے اور ایسے خاندان کے لئے مسلم جزیرہ (مسلم معاشرہ) ایک پناہ گاہ ہوگا۔ شراب اور منشیات کا

دَور دورہ ہے۔ اسلام ان سب کو شکست دے سکتا ہے۔ روایاتی تہذیب کے زوال کے سبب (اسلامی تہذیب سنت کے قریب قریب خاتمہ کے سبب) آج کی تہذیب بہت ہی مہیب ہوگئی ہے۔ امام احمد رضا کے مسلم جزیرے (اسلامی معاشرہ) کے قیام کا نکتہ اسلامی روایاتی تہذیب کو زندہ رکھنے کی ضمانت دیتا ہے۔ آج اسلام کی موت ہے' دین مسلم ہی میں چمکتا ہے۔

پورے سماج میں خالص اسلامی معاشرہ میں ایک خود مختار معاشرہ ہوگا۔ یہ حکومت اور حکومتی کنٹرول سے احتراز کرے گا۔ یہ اپنے اصول، ضابطہ کو جاری کرنے والی سوسائٹی ہوگی۔ اس کے قائد خود عوام کے تسلیم شدہ ہوں گے اور یہ سخت گیرانہ وراثتی یا خاندانی حکومت وقیادت سے پاک سوسائٹی ہوگی۔

اسلامی جزیرہ کا حاکم اعلیٰ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہوگا۔

یہ مسلم آئی لینڈ ایک عالمی معاشرہ ہوگا اور ہر رنگ ونسل کے افراد اس کے رکن ہوں گے اور دنیا میں کہیں بھی ایک مسلمان اس معاشرہ میں آکر اپنے ہی گھر کی طرح ہوگا۔ جس طرح آج ایک مسلمان ہندوستان یا پاکستان یا الجزائر کہیں سے بھی مانچسٹر یا برمنگھم کے مسلمانوں میں آکر اپنے گھر ہی کی طرح رہتا ہے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ایک عالمی سماج کی کلید ایک مضبوط مقامی سماج ہے۔ ۱۹۱۲ء میں امام احمد رضا نے اس پر غور کیا۔ یہ مقامی طبقے درحقیقت مسلمانوں کے لئے مالی امداد کا بندوبست کریں گے اور حکومتوں پر سیاسی دباؤ ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

بوسنیائی مسلمانوں کا المیہ یہ ہے کہ برطانیہ یا دیگر ممالک میں رہنے والے مسلمان انھیں کسی طرح سیاسی مدد دینے کے لائق نہیں ہیں۔ لیکن بوسنیا پر سیاسی سرگرمی ان لوگوں نے مسلط کی تھی' جو اسلامی سوچ کے مسلمان نہیں تھے۔ اس مسلم جزیرہ کی تشکیل یا اس کا قیام اہلسنت وجماعت کے لئے اہم ترین ہے۔ دوسرے فرقے (فرقۂ وہابیہ یا اس کی شاخیں) مسلم قوم میں کوئی دلچسپی نہ رکھ کر صرف اپنے مفاد میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ لیکن اہلسنت والجماعت کے لئے یہ قوم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی امت ہے اور یہ امت ایک مقدس شے اور اس عالم کیلئے پیغاماتِ الٰہی کو پہنچانے والی ہے اور اس لئے اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لئے قوتِ حیات ہے اس سے قطع نظر کر کیا ہوتا ہے۔

یہ سبب تھا کہ کیوں امام احمد رضا کے چار نکاتی پروگرام کا کامل مقصد امت کو زندہ کئے ہوئے تھا؟ امام احمد رضا نے غور کیا تھا اور ہمیشہ علماء اہل سنّت نے فکر کیا ہے کہ امت کو بہر قیمت مربوط رکھنا چاہئے۔ بہت سے مسلمان قوم کو مختلف قسم کے غیر متوقع سانحات سے خطرے میں ڈالتے ہیں، بہت سے لوگ امت سے باہر رہنے کے لئے اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن امام احمد رضا نے اسے مربوط رکھنے کا مقصد بنا لیا تھا۔

اور اسی لئے امام احمد رضا کا چار نکاتی منصوبہ بذات خود ایک مقدس عمل ہے۔ کچھ لوگ سوال کرتے ہیں کیا یہ مسلم جزیرہ ایک اچھا معاشرہ ہے؟ اس کا جواب اثبات میں ہونا چاہئے۔ اس پر مسلمانوں کو زندگی گزارنے کی سعی کرنی چاہئے جس پر اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے زندگی بسر کرانا چاہتا ہے۔ یہ سماج مسلم خاندان، مسجد، سلسلہ تصوف و طریقت اور زکوٰۃ و فطرہ و صدقہ و خیرات والی محبت اور رحم دلی سے بھرپور ایک سماج ہوگا۔ یہ علماء اور بزرگوں کے احترام والا سماج ہوگا اور یہ علماء اور اولیاء کی قیادت والا سماج ہوگا۔

ہر شے سے بالاتر یہ ایک کامل معاشرہ ہوگا۔ وہی معاشرہ کامل ہوتا ہے جو انسانوں کی اکثریت کے لئے زیادہ سے زیادہ ممکنہ خوشیاں فراہم کرتا ہے۔ انسانوں کی سب سے بڑی ممکنہ خوشی اللہ کی رضا پر منحصر ہوتی ہے۔ دنیا و عقبیٰ اور جنت میں ہر جگہ۔ اہل سنت والجماعت کا مقصد ہے امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حتی الامکان وسیع کرنا۔ یہ مسلم جزیرہ ممکنہ حد تک مسلمانوں کی سب سے بڑی ملت یا امت ہوگی اور ہمیں یقین ہے کہ یہ مسلمان حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کے صدقے میں جنت میں جائیں گے۔

اور اس طرح امام احمد رضا کے چار نکاتی پروگرام کے تحت تشکیل شدہ یہ سماج

ایک کامل سماج ہوگا جس کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ ممکنہ خوشی میسر آئے گی، جو بہشت ہے۔

اور ۱۹۱۲ء میں پیش کردہ امام احمد رضا کے چار نکاتی منصوبہ کی اہمیت کی یہی سب سے بڑی امکانی وجہ ہے۔ اس مقالہ کے اختتام میں آپ پوچھ سکتے ہیں کہ ۱۹۱۲ء میں پیش کردہ امام احمد رضا کا چار نکاتی پروگرام کتنا اہم ہے؟ جواب بہت آسان ہے اور دنیا میں اس کے سوا اتنا اہم کوئی اور منصوبہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کی پیروی کریں۔ انسانوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد جنت میں داخل ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ!

اس منصوبہ کا حیرت انگیز جمال ہی اس کی سچائی کا ثبوت ہے۔ اس منصوبہ پر اب عمل کرنے کا وقت ہے۔

امام احمد رضا بریلوی کے ۱۹۱۲ء میں پیش کردہ چار نکاتی منصوبہ کو کیسے عمل میں لایا جائے ؟

میں نے گزشتہ مقالہ میں ۱۹۱۲ء میں پیش کردہ امام احمد رضا کے چار نکاتی پروگرام کی اہمیت کا خاکہ پیش کر دیا ہے۔ زیرِ نظر مقالہ کو رقم کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اس منصوبہ کو عمل میں لانے کے لئے کیا کرنا چاہئے ____ ؟

حقیقتاً امام احمد رضا کا منصوبہ خود اس امر کی صراحت کرتا ہے کہ اس کو عمل میں لانے کے لئے کیا کرنا ضروری ہے ؟

اول :۔ مسلمانوں کو حکومتی فیصلوں اور کچہریوں سے احتراز کرتے ہوئے اپنے معاملات باہم فیصل کرنا چاہئے تاکہ وہ علماء اور اولیاء کی آزادانہ قیادت کو پروان چڑھا سکیں۔

دوم و سوم :۔ مسلمانوں کو آپس ہی میں خرید و فروخت کرنا چاہئے۔ بینکنگ نظام قائم کرتے ہوئے قوم کو وسائل کی فراہمی کی خاطر قومی تشکیل و تنظیم کرنی چاہئے۔

چہارم :۔ مسلمانوں کو علم دین سیکھتے ہوئے اس کی ترویج و اشاعت کے ساتھ اسلامی قومیت کی تشکیل کرنی چاہئے۔ اس طرح اس وسیع کفری معاشرے میں ایک اسلامی معاشرہ پروان چڑھے گا اور ایک اسلامی جزیرہ کو فروغ حاصل ہوگا۔

امام احمد رضا نے ۱۹۱۲ء میں تصنیف کردہ اپنے رسالہ "تدبیر فلاح و نجات و اصلاح" میں اس منصوبہ پر عمل کرنے کے سلسلے میں کچھ امور خود بیان کئے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ وسیع پیمانے پر اس منصوبے کی تشہیر کے لئے عوامی جلسے کرنا چاہئے، ہر فرد کو دوسروں کے انتظار کے بغیر خود اس پر عمل کرنا چاہئے اور یہ نہ سوچنا چاہئے کہ فردِ واحد کچھ نہیں کر سکتا۔ انھوں نے بتایا کہ معاشی بہتری کے لئے فضول خرچی سے احتراز کرتے ہوئے رقم پس انداز کرنی چاہئے۔ کاروبار و تجارت کی طرف توجہ دینی چاہئے اور زیادہ منافع خوری کے بجائے تجارت کو مستحکم کرنے پر توجہ

مبذول کرنی چاہیے۔ مزید فرمایا کہ مسلمانوں کو علمِ دین کو بہ نظرِ حقارت نہ دیکھ کر تعلیمِ دنیا اور کفری یونیورسٹیوں اور ڈگریوں کے پیچھے نہ بھاگنا چاہیے۔ مسلمانوں کو علم دین اور علماء کو حقیر سمجھنے سے باز رہنا چاہیے۔ خود کو دلوالیہ پن سے بچائے رکھنے کے لئے غیر چیلے قانونی معاملات اور کفری کچہریوں سے احتراز کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے اچھا برتاؤ کرنا چاہیے۔ اور اپنے جھگڑوں کو شریعت کی روشنی میں فیصل کرنا چاہیے۔

ہم اس بات کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ ہمیں امام احمد رضا کے چار نکاتی پروگرام کو کس طرح عمل میں لانا چاہیے؟ اول یہ کہ مسلمانوں کو امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا اور محبت کا درس دینا چاہیے۔ قوم کو خود اپنی قدر و قیمت کی پہچان سیکھنی چاہیے۔ ہمیں امتِ مسلمہ کو اپنا اور تمام عالم کا مرکز تصور کرنا چاہیے۔ ہمیں اسے اپنا کنبہ اور اس دنیا میں اسے اپنا سہارا اور اساس متصور کرنا چاہیے۔ ہم اب طرح کی سوچ سے اس منصوبہ کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔ مسلمان اپنی کمیونٹی کو صرف اسی صورت میں پروان چڑھا سکتے ہیں جب وہ اسے اپنی زیست کا مرکز و محور مان لیں۔ آج بہت سے مسلمان مسلم کمیونٹی کو چھوڑ دینے کے لائق سمجھتے ہیں۔ دراصل ان کو اصل محبت کفری سماج سے ہے۔ وہ متحدہ ریاست ہائے امریکہ جیسے مقام پر رہنے کے متمنی ہیں، اور وہاں بھی مسلمانوں کے درمیان نہ رہ کر خود کو کفار کے مساوی سمجھ کر انھیں کے بیچ رہنا چاہتے ہیں۔

مانچسٹر جیسے مقام پر بہت سے مسلمان جونہی دولت کما لیتے ہیں، اپنے لئے مسلم علاقوں سے دور مکان خریدتے ہیں۔ اپنے کو برطانوی ظاہر کرنے کے لئے وہ اپنے بچوں کو پاشیسٹ POSHEST اسکولوں میں داخل کراتے ہیں تاکہ وہ کیمبرج تعلیم یافتہ انگریزوں کی حیثیت سے انھیں پروان چڑھا سکیں۔ اگر آپ ان سے ملیں تو وہ انگریزی انداز میں برتاؤ کریں گے۔ آپ ان کے یہاں ایک گھنٹہ بیٹھیں تو صرف ایک بسکٹ پیش کریں گے ان کا یہ برتاؤ صرف اس لئے ہے کہ وہ مسلمانوں اور مسلم معاشرہ کو حقیر سمجھتے ہیں اور اس سے نجات پانے کی خواہش رکھتے ہیں۔ مگر افسوس (بدقسمتی سے) ان کے سفید فام پڑوسی اس پر بھی ان سے نفرت کرتے ہیں۔

مقصد ہے اصل کمیونٹی کی قدر و قیمت کی پہچان۔ اس میں اگر کوئی خامی ہے تو اسے دور کرنا چاہئے نہ کہ اس سے دور بھاگنا چاہئے۔ ہمیں اپنے غریب اور جاہل مسلم برادران سے خود کو دور رکھنے کے بجائے انھیں اس پستی سے نکالنا چاہئے۔ کمیونٹی اس وقت تک پروان نہیں چڑھ سکتی جب تک لوگ اس سے محبت نہیں کریں گے۔ یہ کمیونٹی، یہ امت ایک مقدس شے ہے اور خود اسلام کا ایک پیمانہ اور سچائی کی پرکھ کے لئے معیارِ امت ہے۔

مسلمانوں کو بلا شک وشبہ یہ جان لینا چاہئے کہ وہ اپنی حقیقی زندگی اپنی ملت ہی میں بسر کر سکتے ہیں۔ کفار مسلمانوں کو کفری معاشرہ میں کہیں بھی مقام دینے کو تیار نہیں۔ ایک مسلمان خود کی زندگی کو اپنی مسلم کمیونٹی سے مرتکز کئے بغیر کبھی کامیابی نہیں حاصل کر سکتا۔ مسلمان کو مسلمان سے محبت کرنا سیکھنا و سکھانا چاہئے۔ ہر مسلمان ایک دوسرے کے بھائی بہن ہیں۔ اور اللہ ہر مسلمان سے بہت محبت کرتا ہے۔ یوم حشر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح شفاعت فرمائیں گے کہ ہر مسلمان کو دوزخ سے نکال لیں گے لہذا ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان سے محبت کرنا سیکھنا چاہئے۔ امام احمد رضا کے منصوبہ کے مطابق مسلمانوں کو آپس ہی میں خرید و فروخت کرنا چاہئے اور اپنے سرمایہ کو اسلامی بینک میں اپنے مسلم بھائی کی مدد اور معاشی فلاح کی خاطر جمع کرنا چاہئے اور انھیں روزگار دینا چاہئے۔ لیکن اگر مسلمان ایک دوسرے کو ناپسند کرتے ہیں تو امام احمد رضا کے منصوبے سے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ ہمارا رویہ یہ ہونا چاہئے کہ ایک شخص کیسا بھی ہو وہ بہر حال ہمارے لئے خاص ہے اس لئے کہ وہ مسلمان ہے۔ اس خیال کا مطلب ہے مسلمانوں کے فکر میں انقلاب۔ بہت سے مسلمان مسلمانوں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ ہمیشہ ان کی شکایت کرتے رہتے ہیں۔ غیبت کرتے رہتے ہیں اور انھیں کوڑے کی طرح خود پر بوجھ سمجھتے ہیں۔

گلاسگو کے ایک مسلمان نے مجھے بتایا کہ ایک مسلمان کیفے کھولتا ہے اور اس میں کامیابی حاصل کر لیتا ہے تو اس کے کاروبار کو ختم کرنے کے لئے دوسرا مسلمان اسی کے برابر اپنا کیفے کھول لیتا ہے۔ اس طرح کے نہ ختم ہونے والے لامتناہی جھگڑوں اور مخاصمتوں اور مساجد کے اندر مناظرہ بازی وغیرہ سے ہم بخوبی واقف ہیں۔

یہ رویہ نہ صرف یہ کہ گھناؤنا بلکہ غیر اسلامی ہے۔ اور اسلام غیبت کا سخت مخالف اور اس بات کا حامی ہے کہ ہمیں اپنی ہی طرح دوسروں کی بھلائی کی بات بھی سوچنی چاہئے ہمیں مسلمانوں سے تنفر اور مخاصمت وغیرہ کا رویہ ترک کر کے اسلامی رویہ اپنانا ہوگا ورنہ ہم منصوبۂ امام احمد رضا کو لائق عمل نہیں بنا سکتے اور نہ ہی قوم کی تشکیل کو کامیابی سے ہمکنار کر سکتے ہیں۔ ہر مسلم و مسلمہ ایک دوسرے کے بھائی بہن ہیں۔ ہم سب کو ساتھ میں جنت میں جانا ہے۔ امام احمد رضا ایک صحیح العقیدہ مسلمان تھے اور ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے۔ مسلمانوں میں آپسی نفرت و تعصب گمراہ قسم کے لیڈروں کا پھیلایا ہوا ہے۔ وہ عام مسلمانوں سے نفرت کرتے ہیں۔ انھیں مشرک بتاتے ہیں اور قابل گردن زدنی سمجھتے ہیں وہ ان مسلمانوں کو اوراد و وظائف اور عید میلاد النبی منانے کی وجہ سے انھیں ہدف تنقید بناتے ہوئے شرک کا فتویٰ دیتے ہیں۔ وہ پولیس مین کی طرح دوسرے مسلمانوں پر مسلّط رہتے ہیں۔ اور عام مسلمانوں کے عیب و گناہ تلاش کرتے رہتے ہیں، ان سے ہنگامے کرتے ہیں، تعصب و سختی برتتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

یہ لوگ حقیقی ملت کے امکان کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا مقصد حقیقی کمیونٹی کی بربادی اور صرف اپنی طاقت کا حصول ہے۔ ہمیں اپنے مسلم بھائیوں کی خامیوں کو درگزر کرتے ہوئے انھیں برداشت کرنا چاہئے۔ ان کے بارے میں اچھے نظریات رکھنے چاہئے۔ جوانوں پر شفقت کرنی چاہئے۔ یہ سوچتے ہوئے کہ اس شریر دنیا میں ان کی زندگی کس قدر سخت دشوار ہے۔ ہمیں ان کی بہت سی شرارتوں اور نادانیوں کو نظر انداز کر دینا چاہئے۔ ان نوجوانوں کی نادان حرکتوں کی وجہ صحیح مسلم قیادت کا فقدان ہے۔ ہمیں ان مسلمانوں کو بتانا چاہئے کہ اسلام خوشی عطا کرنے والا دین ہے۔ اور مسلمان بن کر ہی رہنے میں خوشی اور حقیقی زندگی ہے۔

کمیونٹی سے علیحدہ بھٹکنے والے مسلمانوں کو خاص طور سے مسلمانوں کے ساتھ رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ منشیات و جرائم کے ذریعہ اڑا لئے جانے والے اور گمرہی میں بھٹکنے والے نوجوانوں کو واپس لانے کے لئے ہمیں ایسی تنظیمیں بنانی چاہئے۔ جہاں ہم انھیں

خوش آمدید کہہ سکیں۔ ہمیں روئے زمین پر بسنے والے ہر مسلمان کو خواہ وہ عربی، ایشیائی، افریقی، انڈونیشی وغیرہ کوئی بھی ہوں اپنا دوست اور بھائی سمجھنا چاہئے اور برابری کے ساتھ انھیں خوش آمدید کہنا چاہئے۔ آج مسلمانوں میں ذات برادری کا تعصب ہے، ان سے چھٹکارا پانا چاہئے۔ یہ سراسر غیر اسلامی رویہ ہے۔ مثال کے طور پر عرب ایشیائیوں سے کس قدر خصومت رکھتے ہیں۔ لیکن بلاشبہ یہ جاہلیت ہے جو مسلمانوں کے درمیان نفرت و تعصب پھیلا رہی ہے۔

اگر ہمیں مسلمانوں سے محبت ہوگی تو ہم ان کے ساتھ رہیں گے، اپنی زندگی کو ان کے بیچ مرکوز رکھیں گے۔ انھیں سے کاروبار کریں گے۔ انھیں روزگار دیں گے۔ امتِ مسلمہ سے محبت کا یہ تقاضا ہے کہ ہر فرد امت سے محبت کی جائے۔

سوم:۔ مسلمانوں کو خود اپنی ذاتی، سیاسی اور قومی قیادت کی نشوونما کرنی چاہئے۔ یعنی قومی قیادت کے لئے علماء اور اولیاء کی تربیت اور نشوونما اور پہلے سے ذلیضۂ قیادت ادا کرنے والے حضرات کا احترام کرنا چاہئے۔ لیکن یہ علماء و اولیاء کی نشوونما اور تربیت کا مرحلہ بہت ہی مشکل ہے خاص قسم کا مرحلہ ہے۔ اور اس کے لئے مکمل طور سے اسلامیات کی تعلیم و تربیت دینی پڑے گی اور تب تک ایک شخص تیس یا اس سے زیادہ عمر کا ہو جائے گا۔ اور اس طرح کے سیکڑوں لوگوں کی تربیت دینی پڑے گی۔

آج مناسب قومی قیادت کے لئے ایک نظام تعلیم اور ذرائع ابلاغ کی ضرورت ہے جو اس کی حمایت اور مدد کرے۔ علماء کی تربیت کے لئے مدرسہ ضروری ہے اور بعد از فراغت بحیثیت مدرس ملازمت بھی ضروری ہے۔ اس کے لئے اسلامی کتب کے ناشرین رسائل و جرائد اور ترجیحاً ریڈیو اور ٹی وی بھی چاہئے۔ اپنے نظریات کی تشہیر اور پوری قوم تک اپنی باتوں کو پہنچانے کے لئے اور ایسی حالت میں مسلمانوں کو نام نہاد لیڈروں سے (اپنا کیریر بنانے والے، مطلب پرست اور کاسہ لیس لیڈروں سے) ہٹ کر آگے آنا ہوگا۔ یہ لیڈر اپنے مفاد کی خاطر اور نسلی رشتے کے کارخانے کو برقرار رکھنے کے لئے، مزدور لیڈر، جمہوری اور سیکولر ٹائپ لیڈروں کی تلاش کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو اسٹیٹ کو نہ دیکھ کر اپنی کیمونٹی

کے بجی اداروں کو دیکھنا چاہئے۔ اکثر لیبر پارٹی نے سیکڑوں ہزاروں مسلمانوں سے ووٹ حاصل کئے ہیں اور بدلے میں انھیں کچھ نہ دے کر صرف ہجرت کا قانون دیا ہے اور سلمان رشدی کی تائید کی ہے۔

کمیونٹی کے باہر کی تمام سیاسی سرگرمیاں کمیونٹی کو صحیح مدد دینے کے لئے ہونی چاہئیں امام احمد رضا کا مکمل منصوبہ اسٹیٹ سے درگزر اور خود مختاری کا منصوبہ ہے۔ انگلینڈ میں یہ بات ممکن ہے مگر فرانس جیسے ملک میں حکومت کا کنٹرول دم گھونٹ دینے والا ہے۔ وہاں مسلمان جس طرح برطانیہ میں اسلامک ٹائمز میگزین نکال رہے ہیں اس طرح میگزین کی اشاعت نہیں کر سکتے۔ آج کے مصر میں کوئی بھی تنظیم اسٹیٹ یعنی پولیس کی اجازت کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی۔ ایسے مقام پر اور ایسے عالم میں امام احمد رضا کا منصوبہ لائق عمل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مسلمانوں کا سیاسی مقصد ہونا چاہئے درگزر اور خود مختاری۔ امام احمد رضا کے منصوبے کے تمام نکات کا مقصد ہے کہ کمیونٹی خود عمل کرے، اسے اسٹیٹ یعنی حکومت سے کسی طرح کی مدد یا حمایت نہیں لینی چاہئے۔ اور اس مقصد کے لئے لیبر اور لبرل پارٹیوں کے نزدیک جانے کی کوئی بڑی وجہ نہیں ہے۔ امام احمد رضا کے منصوبے کے کلی نکات کی غرض ہے قوم کی خود مختاری اور اپنی آزادی۔ اگر آپ معاشی اور معاشرتی طور سے خود مختار ہیں تو سیاسی طور سے بھی آپ کو خود مختار ہونا چاہئے اور تہذیبی طور سے بھی۔ آپ کو کفار سے خیالات اور تہذیب کے حصول کے لئے ان کے پیچھے نہیں بھاگنا چاہئے۔ اور یہی ہے علماء و اولیاء کی مناسب قیادت اور تعلیم اور ذرائع ابلاغ کی نشو و نما کیونکہ یہ مسلمانوں کو ان کی خود مختاری کے لئے ضروری فکر و خیال فراہم کرتے ہیں۔ بہت سے مسلمان جو سیکولر یونیورسٹیوں اور مفکروں ہی کو لائق تقلید و احترام سمجھتے ہیں، اور اسی دنیوی ڈگری اور تعلیم کو کامیابی کا اصل نشان سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کو ان سے باز رہنا چاہئے۔

چہارم: مسلمانوں کو پورے طور سے اسلامی اداروں کی نشو و نما کرنی چاہئے۔

ہمیں علماء کی قیادت والی عدالت شرعیہ قائم کرنی چاہئے۔ یعنی زمانہ ماضی کی جامعہ ازہر مصر کی طرح مسجد و مدرسہ کے نظام کو رائج کرنا چاہئے۔ زکوٰۃ و فطرہ کے ذریعے غرباء کی امداد

اور دوسرے سماجی امور کو پورا کرنا چاہئے۔ خواتین اور نوجوانوں کی تعلیم و تربیت وغیرہ کا انتظام ہونا چاہئے۔ طریقت کو فروغ دینا چاہئے۔ تاریخ گواہ ہے کہ صوفیا نے طریقت کے نظام کے تحت قومی و ملی تنظیم کا کیسا کارنامہ انجام دیا ہے۔ جب اس طرح کے ادارے کام کریں گے تو امام احمد رضا کے منصوبے کو عمل میں لانا آسان ہوگا۔

اب یہ چند اہم امور ہیں جنھیں امام احمد رضا کے چار نکاتی پروگرام کو بروئے کار لانے سے قبل کیا جانا چاہئے۔ اگر مسلم کمیونٹی معاشرے میں ایک آئی لینڈ (جزیرہ) کی حیثیت سے پروان چڑھادی جائے تو امت کا ہر فرد ایک دوسرے سے محبت کرے گا، علماء اور اولیاء کی مناسب رہنمائی ہوگی اور اسلامی اداروں کو کمیونٹی کے اندر فروغ دیا جا سکے گا۔

ہمارے قارئین پوچھ سکتے ہیں کہ اس منصوبے پر کون کس طرح عمل کرے تو جواب آسان ہے۔ اس منصوبہ کو لاکھوں میں سے ہر فرد مسلم کو عمل میں لانا چاہئے۔ امام احمد رضا کا مقصد تھا عمل کرنے والی خود کار قوم۔ انھوں نے چند نمائندوں، حکومت یا سیاسی جماعت پر نہ تو بھروسہ کیا نہ کسی کو اس طرح عمل پیرا ہونے کو کہا۔ انھوں نے ہر فرد مسلم کو اس کی دعوت دی اور بتایا کہ اس کے لئے جلسے کرکے لوگوں سے اس منصوبے کو چلانے کی اپیل کرنی چاہئے۔

یہ تو ایسا جامع منصوبہ ہے کہ کوئی بھی ابھی اسی وقت یا آج ہی سے اسے عمل میں لے آئے۔ ایک خاتون خانہ بھی اس کے لئے آج ہی سے بہت کچھ کر سکتی ہے۔ محض یہ فیصلہ کرکے کہ وہ مسلم دکان سے ہی سودا خریدے گی۔ ایک طالب علم یہ طے کرکے کہ اسے اپنا مستقبل سنوارنا ہے اور تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مسلمانوں کے درمیان بھلائی کا کام کرنا ہے۔ ایک گھرانہ یا خاندان بھی اس سلسلے میں بہت کچھ کر سکتا ہے کہ وہ اپنی رہائش کے لئے ایک ایسا مکان منتخب کرے کہ جو مسجد کے نزدیک ہو، ایک تاجر یہ فیصلہ کرکے بہت کچھ کر سکتا ہے کہ وہ اپنا سرمایہ مسلمانوں کی مدد اور معاشی ترقی کے لئے کاروبار میں لگائے گا۔ کوئی بھی بحیثیت لیڈر اس منصوبے کے کسی بھی حصے پر عمل کر سکتا ہے۔ ایک نوجوان خود کو عالم بنانے کا فیصلہ لے کر، ایک دوسرا نوجوان خود کو میدان تصوف میں اتارنے کا فیصلہ لے کر اور پھر صوفی بن کر بھٹکے ہوئے نوجوانوں کو کمیونٹی میں واپس لانے کا عزم کرکے بھی اس منصوبہ پر عمل

کرسکتا ہے۔

امام احمد رضا کے منصوبے میں ہر مسلم کچھ کچھ کرسکتا ہے۔ اور قومی ہیرو یا قائد بن سکتا ہے۔ اسلامی تجدید شخصی اقتدار و طاقت یا چند منتخب لوگوں یا کسی سیاسی جماعت کی طاقت و اقتدار کا نام نہیں ہے بلکہ پوری قوم کے اقتدار و طاقت کا نام ہے۔

امام احمد رضا کا منصوبہ لاکھوں کی فلاح کا منصوبہ ہے۔ جو ساتھ مل کر اللہ کی اس زمین پر حکومت الٰہیہ و الامعاشرہ اور نظام قائم کریں گے۔ جیسا کہ سابقہ مقالہ میں بتایا جاچکا ہے کہ مسلمان اگر اس منصوبۂ رضا پر عمل کرتے ہیں تو وہ صرف اپنی مسلم کمیونٹی میں ہی خوش آمدید کہے جائیں گے۔ اس پر عمل کرنے کے لئے ضروری ہے شعوری طور پر کچھ کرنے کی۔

اب ہمارے قارئین سوال کرسکتے ہیں کہ اس منصوبے پر کب عمل پیرا ہوا جائے اور اس کے لئے کیا مدت درکار ہوگی؟ جواب آسان ہے۔ اس منصوبہ پر کسی بھی وقت کسی بھی رفتار سے عمل پیرا ہوا جاسکتا ہے۔ آپ اس پر آج ہی سے عمل پیرا ہوسکتے ہیں۔ کسی بھی مسلم دوکاندار سے سودا خرید کر اور کسی بھی مسلم کی معاشی ترقی کے لئے اپنی رقم کاروبار میں لگا کر یا کچھ سال میں ایسا کرسکتے ہیں۔ آپ آئندہ سال کے لئے کسی مسلم محلہ میں یا مسلمان کے پڑوس میں مکان خریدنے کی بات سوچ کر بھی اس منصوبہ پر عمل کرسکتے ہیں۔ عالم بننے کے لئے ایک لمبی مدت درکار ہے لیکن طریقت میں شمولیت فوری ممکن ہے۔

یہ منصوبہ ابھی سے لے کر دہائیوں اور صدیوں تک کا منصوبہ ہے۔ اگر ہم اس منصوبہ پر عمل کرتے ہیں اور مسلم کمیونٹی کی نشو ونما اور اسے فروغ دیتے ہیں تو انشاء اللہ ایک دن انگلینڈ مسلم اکثریتی ملک ہوسکتا ہے۔ لیکن وہ مدت ایک صدی یا پانچ صدی کی بھی ہوسکتی ہے۔ ویسے ہم اسے چلانے کے لئے یا اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے آج سے بھی کام شروع کرسکتے ہیں۔ جیسا کہ ایک زمانہ میں صرف چند لوگ انڈونیشیا میں اسلام لائے تھے اور آج وہاں لاکھوں کروڑوں مسلمان موجود ہیں۔ آپ سوال کرسکتے ہیں کہ اس میں کامیابی کا کیا موقع ہے؟

جواب آسان ہے۔ یہ منصوبہ دراصل وہی تھا کہ مسلم دنیا کا کتنا بڑا حصہ مسلمان بنا

اور مسلمان ہی بنائے رکھا گیا۔ کیونکہ گزشتہ ہزار برس اور اس سے زائد مدت سے ہمارے صوفیاء اور علماء کی امام احمد رضا کی طرح یہی پالیسی تھی۔

لیکن ہم سبھی خریدار ہوں یا دوکاندار' قرض دینے والے ہوں یا لینے والے، لیڈر ہوں یا پیرو، استاد ہوں یا شاگرد' اس میں حصہ لے سکتے ہیں۔ یہ منصوبہ آج کا ہے اور ہر مسلمان کے لئے ہے۔

ہم نے اب دیکھ لیا کہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے منصوبہ کو کس طرح کام میں لائیں گے۔ یہ ہم میں سے ہر ایک پر لازم ہے کہ اس کے لئے کچھ نہ کچھ کرے۔

اگر لاکھوں مسلمان میں سے ا ایک اس منصوبے کے تحت کچھ نہ کچھ کرتا ہے تو جلد ہی مسلمان اپنی ناتوانی' ناکامی اور کسمپرسی سے بحالی حاصل کر سکیں گے۔

اس کلید میں سب سے بڑی اور اہم کلید ہے اسلام، مسلمین، شریعت اور علماء سے محبت' اور سب سے بڑی کلید ہے اپنے نبی جمیل صلی اللہ علیہ وسلم سے زائد سے زائد محبت، ادب واحترام اور پیروی!

ہمیں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ ہم اس منصوبے کو زیادہ سے زیادہ لوگوں کی نجات اور آخرت میں ان کے حصول جنت کے لئے عمل میں لائیں گے۔

مسلم اکثریتی ممالک کے لئے امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے چار نکاتی پروگرام کی اہمیت

امام احمد رضا کا چار نکاتی پروگرام واضح طور پر برطانیہ جیسے مقام کے لئے برمحل اور اہم ہے۔ ۱۹۱۲ء کا یہ منصوبہ مسلمانوں کو حکومت سے قطع نظر مسلم کمیونٹی کو پروان چڑھاتے ہوئے کافر سماج میں ایک مسلم جزیرہ کی تشکیل کی صلاح دیتا ہے۔ اور ایک آزاد و خود مختار مسلم معیشت اور مسلم تہذیب کو علماء و اولیاء کی قیادت و رہنمائی میں فروغ دینے کا درس دیتا ہے۔ برطانیہ میں مسلمان، ملک کا ایک چھوٹا سا حصہ ہیں اور انکے واسطے کسی بھی خود مختاری کا مطلب ہے ایک وسیع معاشرہ میں ایک جزیرہ کی حیثیت اختیار کر لینا۔

اب مسئلہ ہے کیا امام احمد رضا کا منصوبہ مصر، بوسینا، پاکستان اور ترکی جیسے بڑی اکثریت والے مسلم ممالک میں برمحل اور اہم ثابت ہو سکتا ہے۔ کیا ان ممالک میں مسلم جزیرہ کی نشو و نما کوئی معنی رکھتا ہے اور کسی مسئلہ کو یہ حل کرتی ہے؟ اس مقالہ میں یہی دکھایا جائیگا کہ مسلم اکثریتی ممالک کے لئے امام احمد رضا کا ۱۹۱۲ء کا منصوبہ بہت ہی اہم ہے۔ اور ان ممالک کے ان بہت سے مسائل کو حل کر سکتا ہے جن سے یہ ممالک آج دو چار ہیں۔

ویسے تو یہ ۱۹۱۲ء کا چار نکاتی پروگرام برطانوی ہند کے مسلمانوں کے لئے پیش کیا گیا تھا جو اس وقت اقلیت میں تھے اور برطانوی عیسائی غالب و حکمراں تھے۔ لیکن اس پروگرام کا بیشتر حصہ کسی بھی مقام و ملک کے مسلمانوں کے لئے برمحل ثابت ہو گا۔

امام احمد رضا نے مسلمانوں کو اسلام کی بہتری کی خاطر فرداً فرداً اپنی حد تک بہتر سے بہتر کام کرنے، فضول خرچی سے بچنے، کاروبار و تجارت کا رویہ اپنانے، تعلیم دنیا اور ڈگریوں کے پیچھے بھاگتے اور خود کو دیوالیہ پن سے بچانے کی خاطر سیکولر کچہریوں سے احتراز کرتے ہوئے

اپنے جھگڑے اور معاملات شریعت کی روشنی میں باہم فیصل کرتے۔ علمِ دین اور علماء و اولیاء کو بنظرِ حقارت نہ دیکھ کر قدر کی نگاہوں سے دیکھتے اور علمِ دین کی ترویج کرتے۔

"مسلم جزیرہ کی تشکیل کا امام احمد رضا کا یہ ۱۹۱۲ء کا منصوبہ مسلم اکثریتی ممالک کے لئے برمحل ہے۔ کیونکہ وہاں آج اسلام کی حیثیت صرف ایک جزیرہ ہی کی سی ہے۔" بیشتر ملکوں میں برائے نام بھی اسلامی حکومت نہیں ہے۔ ترکی جیسے ملک میں بھی قطعاً سیکولر حکومت ہے۔ عراق اور شام جیسے ملکوں میں عرب نیشنلزم کے نام پر حکومت قائم ہے۔ بہت سے ممالک جو اسلامی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وہاں بھی بہت ہی معمولی طور پر اسلامی حکومت ہے۔ اور اکثریت اس کے اسلامی نہ ہونے کو تسلیم کرتی ہے۔ یہ حکومتیں چوروں کے ہاتھ ضرور کاٹتی ہیں کیونکہ ان لوگوں کو خوش کرنے کا یہ بہت ہی گھٹیا طریقہ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حکومت اسلامی ہونی چاہئے نہ کہ سیکولر!

حقیقتہً تمام مسلم ممالک میں شرعی قانون کا نفاذ نہیں ہے۔ بلکہ ایک طرح سے وہاں مغربی قانون کی نقالی ہے۔ شریعت یا تو وہاں بالکل نافذ ہی نہیں ہے یا صرف شادی اور وراثت وغیرہ امور کے فیصلے کے لئے چند اسلامی قانون وضع کر لئے گئے ہیں اور حکومت صرف انھیں معاملات میں شریعت پر عمل کرتی ہے بس! حقیقتہً مسلم ممالک میں علماء اور بالخصوص اولیاء کا کوئی رول نہیں ہے۔ سلسلۂ طریقت پر جبراً بہت سے مسلم ممالک میں پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ وہاں علماء تو ہیں لیکن ان کے پاس زر ہے نہ کوئی منصب۔ اوقاف جو مدرسوں اور مساجد میں چلنے والے جامعات کی مالی اعانت کرتے تھے مدت ہوئی حکومت نے انھیں اپنا لیا۔ عدلیہ میں بھی علماء کو کوئی رول نہیں دیا گیا ہے۔ اور اگر کوئی اثر رکھتے بھی ہیں تو اپنے چند پیروؤں میں ذاتی اثر کی وجہ سے۔

ان مسلم اکثریتی ممالک میں اسلام اور مسلمانوں کی حالت برطانیہ کی حالت سے مشکل سے ہی مختلف ملے گی۔ جہاں حکومت اور قانون اسلامی نہیں ہے اور علماء و اولیاء بے زر و بے زور رہیں۔

لیکن اس کے باوجود اکثر مسلم اکثریتی ممالک میں اسلام اور مسلمانوں کی حالت

برطانیہ سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ بہرحال برطانیہ میں مسلمان کو بحیثیت مسلمان ہی قوم کی تنظیم کی آزادی حاصل ہے۔ بیشتر اسلم اکثریتی مسلم ممالک میں اسلام اور مسلمانوں پر حکومت کی گرفت بہت سخت ہے۔ حکومت خود بلاواسطہ ائمہ مساجد کا تقرر کرتی ہے اور ان کی تقریروں پر بھی کنٹرول رکھتی ہے کہ انھیں کیا بولنا چاہئے۔ حکومت کی اجازت کے بغیر مسجد کی تعمیر بھی نہیں کی جاسکتی۔

"ان سوسائٹیوں میں مسلمان ایک ایسے جزیرہ کی حیثیت رکھتے ہیں جو بہت سے معاملات میں جیل سے بھی زیادہ ہے"۔ یہ حالت خصوصاً ان حکومتوں کی ہے جو واقعتہً اسلامی ہونے کا دعویٰ کرتی ہیں۔ لیکن جہاں فرقہ وارانہ دستور بھیانک طور پر قائم ہے اور پولیس ان لوگوں کا تعاقب کرتی رہتی ہے جن پر صحیح عقیدہ نہ ہونے کا شک ہوتا ہے۔ جیسے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خانوادہ سے متعلق عقیدہ رکھتے ہیں۔ وہاں (وہابی حکومت جیسا کہ سعودی عرب میں ہے اور اس طرح کے عقیدے والوں کو وہاں کی پولیس مشکوک سمجھ کر انھیں تنگ کرتی ہے) روایتی اسلام یعنی سنّیت پر پابندی ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ دنیا میں کہیں بھی اسلام معاشرہ میں ایک جزیرہ کے علاوہ مکمل طور پر موجود ہے تو یہ بات مشکوک مانی جائے گی۔ اور بیشتر مسلم ممالک میں سچے اور دیندار مسلمان کفر کے ایک سمندر میں گھرے ہوئے ہیں۔ ان ممالک میں آپ اسلامی تہذیب کو سقیم حالت اور واہیات غیر اسلامی مغربی تہذیب کا غلبہ دیکھیں گے۔ ان ممالک کی کثیر آبادی میں معدودے چند ہی اسلام کا حقیقی علم رکھتے ہیں، جبکہ اکثریت بے ہودہ قسم کی جنسیات اور تشدد سے پُر فلمیں دیکھتی نظر آئے گی۔ برطانیہ میں مسلم گھرانے اور مسلم نوجوان اسی طرح کی چیزوں کی مجرمانہ تخریب میں مبتلا ہیں۔ تعلیم پر حکومت کا کنٹرول اور غلبہ ہے جو بچوں کو ہر طرح کی مضحکہ خیز نظریات کی تبلیغ کرتی ہے۔

بیشتر ممالک میں خودمختار مسلم معیشت مفقود ہے اور اس پر حکومت کا کنٹرول رہا اور غلبہ ہے۔ اور اس کا نظام بجائے مسلم کمیونٹی کے مانند ہونے کے کمیونزم کی مانند ہے۔ وہاں

کوئی مسلم کیمونٹی اور مسلم تہذیب نہیں ہے اور نہ ہی مسلم قیادت، اور حکومت اسلام اور ہر شے جو اسلامی ہے اسے کچل رہی ہے۔ اسلام ایک محدود جزیرے میں کچھ اچھی حالت میں ضرور ہے مگر اس جزیرہ یا سماج کی حالت بہت بدتر ہے۔ اسی طرح جس طرح اسٹالن کے روس میں اسلام کی حالت تھی کردہ لوگوں کے دلوں میں تو تھا لیکن عوامی سطح پر پورے طور سے نہاں تھا۔

"ایسے ممالک میں مسلمانوں کے وجود کے لئے ۱۹۱۲ء کا منصوبہ ہی کارگر ہو سکتا ہے۔ ایسے سماج میں اسلام پھر سے بڑھنا شروع ہو سکتا ہے اگر اسے آئی لینڈ (جزیرہ) کی حیثیت سے پروان چڑھایا جائے، جیسا کہ امام احمد رضا کا منصوبہ تھا۔ پھر اگر یہ نشوونما پاتا ہے تو بڑھنے پھیلنے کے لائق ہو جائے گا اور غیر اسلامی معاشرے پر ان ممالک میں چھا جائے گا" اور نتیجتہً حکومت کو متاثر کر کے صحیح اسلامی حکومت کا قیام نو کرے گا۔

بے شک ہر مسلم ملک اتنا برا نہیں ہے جتنا کہ انتہائی حالات میں ہے۔ مثال کے لئے ..... پاکستان میں صورت حال عجیب و غریب ہے الجزائر کے صورت حال کے مقابلہ میں۔ اس لئے کہ کوئی بھی جو ۱۹۱۲ء منصوبہ پر عمل پیرا ہونا چاہتا ہے۔ اسے اپنے ملک یا علاقے کی صورت حال پر باقاعدگی سے غور کر لینا چاہئے۔ ہر مسلم ملک کا معاملہ مختلف ہے۔ مقامی لوگ جو اصل حالات سے واقف ہیں انھیں خود اپنے تئیں مطالعہ کرنا چاہئے۔ لیکن یہ صاف طور پر واضح ہے کہ اس ۱۹۱۲ء کے منصوبے کا کم سے کم حصہ ہر ہر مسلم ملک کے لئے برمحل ہے۔ دنیا میں آج کہیں بھی اسلام ایک جزیرہ کے سوا اور کوئی حیثیت حاصل نہیں کر سکتا ہیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ مغرب کی آمد سے پہلے اسلام معاشرہ میں ایک جزیرہ ہی کی حیثیت سے تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ یہ جزیرہ شاندار روایتی تہذیب اور دولت و ثروت کی جائے جہاں بہت زیادہ ذہین افراد کی قیادت تھی۔ مسلم علماء امام غزالی رضی اللہ عنہ کی روایات کے پیرو تھے، اور روحانی پیشواؤں کی رہنمائی تھی اور بڑے سلسلۂ طریقت خوب پروان چڑھ رہے تھے۔ نویں اور دسویں صدی عیسوی میں خلافت کے خاتمے کے بعد اسلام صرف ایک جزیرہ کی حیثیت سے باقی رہ گیا تھا۔ چونکہ اسلامی حکومت ختم ہو چکی تھی، معاشرہ پر مسلمانوں کا

کنٹرول نہیں رہا۔ اس عمل نے ۱۳ویں صدی عیسوی میں منگولوں کے ہلاکت خیز حملے کو عروج پر پہنچایا۔ تب مسلمانوں نے اسلامی جزیرہ کی تشکیل پر کام کیا اور اپنے معاشرے اور تہذیب کو پروان چڑھاتے رہے اور پھر صدیوں بعد معاشرہ اور حکومت پر غلبہ حاصل کرنے کے لائق ہوئے اور اپنی حکومت قائم کی جیسے سلطنتِ عثمانیہ اور سلطنتِ مغلیہ وغیرہ، مسلم علماء اور اولیاء مسلم معاشرہ و تہذیب پر اپنا دباؤ قائم رکھے ہوئے خود حکمراں پر بھی غالب رہے۔

جب مغربی قوم مسلمانوں پر غالب آئی تو اس نے اسلامی جزیرہ کو پامال کر دیا۔ اس کے ترجمان علماء اور اولیاء دور پھینک دئے گئے۔ مغربی قانون اور تہذیب کا غلبہ ہوا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ شرعی قانون کی جگہ ملکی قانون نافذ کر دیا گیا۔

۱۹۱۲ء میں امام احمد رضا نے اسی منصوبے کی تجدید فرمائی جسے اسلاف صدیوں قبل عمل میں لا چکے تھے۔ انھوں نے کوئی نیا نظریہ نہیں پیش فرمایا۔ وہ مجدد اسلام ہیں نہ کسی نئے نظریہ کے بانی!

۱۹۱۲ء تک بلاشبہ مسلمانوں نے عام طور سے دوسرے منصوبوں پر عمل کیا ہے جو معاشرے کے مسائل کو حل کرنے والے جدید نظامِ حکومت کے منصوبے تھے۔" ۱۹۱۲ء کا منصوبہ آج بھی اہم ہے، کیونکہ جدید طرز حکومت ناکام ہو چکا ہے اور ناکام ہو چکے ہیں جدید نظام پر مرتکز تمام منصوبے! آج مسلمان جن مسائل سے دوچار ہیں انھیں ۱۹۱۲ء کا منصوبۂ رضا ہی حل کر سکتا ہے۔ کیونکہ حکومت ان مسائل کو حل کرنے میں ناکام ہو چکی ہے۔"

بیشتر مسلم ممالک میں اسلام معاشرہ کے اندر سخت کنٹرول میں مقید کر دیا گیا ہے۔ اگر مسلمان ۱۹۱۲ء کے منصوبہ پر عمل کر کے اپنا آزاد اسلامی جزیرہ پروان چڑھاتے اور اسے تہذیبی اور معاشرتی طور پر خود مختار بناتے تو یہ مسلمان اور اسلام کے لئے بہت بڑا عملی اقدام ہوتا۔ ۱۹۱۲ء کا منصوبہ تمام مسلم معاشروں کے لئے الگ اور سب کو ملا کر ایک مکمل معاشرہ کی حیثیت سے مسلمانوں کو مسائل کے حل کا متبادل فراہم کرتا ہے کیونکہ حکومت اور اس پر مرکوز تمام منصوبے ناکام ہو چکے ہیں اور مسلم ممالک کی حکومتیں ایسی

ابتری کے عالم میں ہیں کہ صرف ۱۹۱۲ء کا منصوبہ ہی واحد عملی اقدام ہے۔ حکومت کی ناکامی کا علاج ایک خود مختار اور خود کار معاشرہ ہے۔

مسلم دنیا میں حکومتیں کئی طرح سے ناکام ہو چکی ہیں۔ اول حکومتی کنٹرول کی معیشت ایک مصیبت ہے۔ اس نے الجزائر جیسے ملک میں بیروزگاری اور افلاس کی راہ دکھائی ہے قومیائی گئی انڈسٹریاں مایوس کن حد تک ناقابل کارکردگی ہیں اور ٹیکس دینے والوں پر ایک بارِ گراں۔ کچھ جو حکومتی سیکٹر میں لگی ہوئی ہیں وہ مالدار نہیں ہیں۔ اور قومیائی گئی انڈسٹریوں سے باہر کثیر تعداد بھیانک غربت میں مبتلا ہیں اور جو لوگ سخت بیروزگاری کی مصیبت جھیل رہے ہیں وہ غریب عام مسلمان ہیں۔ مغرب زدہ لوگ حکومتی روزگار پانے کا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اس معاملہ میں شہر بھی اس دیہی علاقے سے بہتر کام کر رہے ہیں، جہاں سنی مسلمان آباد ہیں۔

ان ریاستوں میں گورنمنٹ ہی سارے اختیارات رکھتی ہے، لیکن مکمل غیر ذمہ دارانہ وہاں گورنمنٹ اور حکومتی عملہ پر کوئی روک نہیں ہے جو من مانی کرتے ہیں: کیونکہ پورے معاشرہ پر ان کا کنٹرول ہے۔ اور روزمرہ کے معمولی معاملات میں بھی دخل اندازی کا انھیں زبردست اختیار حاصل ہے۔ نتیجتہً وہ کرپٹ (بد اطوار) ہو گئے ہیں اور یہ سب ثمرہ ہے مغرب زدگی کا جو کنٹرول سے باہر ہے اور سنی مسلمان رشوت خور حکومتی عملہ کا شکار ہے۔

مگر حکومت کی عظیم ناکامی کا سبب صرف یہی امور نہیں ہیں بلکہ یہ خود حکومت کے کنٹرول سے باہر ہو جانے کی بے ہودہ لڑائی ہے جو بیشتر مسلم ممالک کو الگ سے چیر پھاڑ رہی ہے۔ ہندوستان اور برطانیہ جیسے ممالک میں جس مسئلہ سے مسلمان دوچار ہیں وہ ان پر برٹش لیبر پارٹی اور بھارتیہ جنتا پارٹی جیسی فرقہ پرست اور متعصب جماعتوں کے جارحانہ حملے ہیں۔ گزشتہ مقالہ میں یہ بتایا گیا کہ حکومت کے کنٹرول سے باہر ہو جانے کے سبب بیکار کے جھگڑوں وغیرہ کا حل ۱۹۱۲ء کا منصوبہ کس طرح حل کر سکتا ہے۔ مسلم دنیا میں مسلمان حکومتی کنٹرول کے سلسلے میں فرقہ وارانہ، قومی اور مغرب زدگی کی عصبیت اور رقابت کی خوفزدگی میں مبتلا ہیں۔ جیسے ترکی میں کردوں اور ترکوں، عراق اور شام میں شیعہ سنی اور الجزائر میں فرینچ

اورعربی لسانیت وغیرہ کے جھگڑے، تصادم اور رقابت اور اس کے نتیجے میں مسلم ممالک سول وار کے قریب ہیں۔

وہ لوگ بڑی غلطی پر ہیں جو یہ سوچتے ہیں اگر صرف حکومت میں اصلاح کردی جاتی وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر صرف کردوں، شیعوں یا غیر مغرب زدہ لوگوں کی حکومت ہوتی تو یہ جھگڑے ختم ہو جاتے۔ وہ یہ بھی سوچتے ہیں کہ اگر صرف حکومت میں اصلاح کردی جاتی یا اسے مزید طاقت دے کر وسیع کردیا جاتا تو کیسے بھی یہ مسائل ختم ہو جاتے۔ یہ خیالات کہ ان تبدیلیوں کے حصول سے پولیس حراست اور رشوت خوری کا معاملہ مختلف ہوتا، اصل میں درست نہیں ہے۔ جدید طرزِ حکومت بذاتِ خود بیماری ہے اور اس کا علاج ہے خود قوم وملت کو حکومت واپس کردیا جانا، حکومت کو من مانی سے روکنا جس کے سبب ملک میں تباہی پھیلی ہے۔

بعض گمراہ مسلمان ان غلط نظریات کی خاص طور سے پیروی کرتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ مسلم مسائل صرف مسلمانوں کو کسی سیاسی تحریک کے تحت منظم کرلینے اور حکومت پر تصرف حاصل کرلینے سے ختم ہو جائیں گے، لیکن بدقسمتی سے اس سے بھی مسائل حل نہ ہونگے جیسے کہ الجزائر میں ہوا۔ کیونکہ حکومت پر قابض افراد مسلمانوں کو کسی قیمت پر یہ قبضہ نہیں دیں گے اور اگر وہ کسی ایک ملک میں حکومت پر قابض ہو بھی جاتے ہیں تو دوسرے تمام ممالک بشمول مغرب اس ملک کو تباہ کرنے کی تمام ممکنہ کاروائیاں عمل میں لا رہے گے جیسا کہ آج سوڈان میں کر رہے ہیں۔

مسئلہ کا اصل علاج ۱۹۱۲ء کا منصوبہ ہے۔

امام احمد رضا کا منصوبہ مسلم دنیا کے معاشی مسائل کے حل کا صاف راستہ ہموار کرتا ہے اور یہ ناکام حکومتی معیشت کے پہلو بہ پہلو مسلمان کو آزاد خود مختار مسلم معاشی مارکیٹ کی راہ دکھاتا ہے۔ انھیں روزگار اور دولت حاصل کرنے کے لئے اگر مسلمان حکومت سے منھ موڑ کر آپسی کاروبار اور ایک دوسرے کو روزگار کی فراہمی کے طریق پر عمل کرے تو واقعتہً یہ آزاد مارکیٹ وجود میں آتا۔ مسلمان حکومتی ملازمتوں اور کوالی فکیشن

کے پیچھے بھاگنے سے باز رہتے اور اسلامی بینک کاری نظام کے تحت حقیقی تجارت کو فروغ دیتے۔ مسلمان خود عامۃ المسلمین کے کیریر (مستقبل) کی رہنمائی کرتے اپنے ہی ملک میں اور مسلمانوں کو روزگار کے لئے دوسرے ممالک خاص طور سے مغربی ملکوں میں ہجرت کرکے جانا نہ پڑتا۔ جیسا آج کل ہو رہا ہے۔

اس آزاد مسلم معیشت کا کام ایک عظیم مسلم عوامی تحریک کا باعث ہوگا۔ یہ مسلمانوں کے خود اپنے عمل سے انجام پذیر ہوگا۔ اس کا مقصد ایک عظیم مارکیٹ سیکٹر کی تعمیر ہوگا جو محض دفاعی نہ ہوکر پوری دنیا میں معاشی مقابلہ آرائی کا فروغ ہوگا۔

عظیم الشان مسلم معیشت کا فروغ بلاشبہ مسلم اداروں اور شریعت کے فروغ کے دوش بدوش انجام دیا جائے گا۔ اور مسلمانوں کو عزبت اور پریشانیوں سے راحت دلانے والا ہوگا۔ مسلم عائلی اور وراثت کے قانون، خیراتی چندوں کا وقف کا نظام، زکوٰۃ خانقاہیں وغیرہ ایک فلاحی نظام فراہم کریں گی جہاں حکومت فیل ہو چکی ہے۔ یہ ایک غیر حکومتی اور خود کار تشکیل کردہ فلاحی اسٹیٹ ہوگی۔

۱۹۱۲ء کا یہ منصوبہ آج کی مغرب کی معاشی اور سماجی پالیسی کے مماثل ہے جس کی یہ حمایت کرتے ہیں۔ وہ حکومت کے سماجی کردار کو سکیڑ کر خود مختار مارکیٹ سکٹر اور خود کی مہیا کردہ معاشرتی حفاظتی نظام پر یقین رکھتے ہیں۔ اس طرح کی آزاد مارکیٹ کے فروغ پر چین میں بڑے پیمانے پر اچھے ڈھنگ سے کام ہو رہا ہے اور اگر وہاں یہ رویہ برقرار رہا تو چین کی معیشت متحدہ ریاست ہائے امریکہ کے مساوی ہو جائے گی۔

خود مختار مسلم فری مارکیٹ اس طرح کامیابی سے ہمکنار ہو سکتی تھی جس طرح چین نے کامیابی حاصل کی۔ اس سے عزبت اور بے روزگاری کو ختم کیا جا سکتا تھا۔ اسکی خاص اہمیت یہ ہوتی ہے کہ یہ ان سنی مسلمانوں کی پریشانیوں کا خاتمہ ہوگا۔ جنھیں مغربی ممالک میں اور جن کے دوستوں کو مسلم دنیا میں روزگار فراہم کرنے سے منع کیا جاتا ہے۔ فرض کیجئے اگر ایک عظیم الشان مسلم معیشت کا وجود ہوتا اور کسی کو ہجرت کی ضرورت پیش نہ آتی اور فرض کیجئے کہ یہ ان سنی مسلمانوں کے لئے زر کی فراہمی کا باعث ہوتا جو صدیوں سے لوٹے جارہے

ہیں تو کیا عالم ہوتا۔ یہ مسلمانوں سے محبت کا زبردست غماز ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح امام احمد رضا کو مسلمانوں سے محبت تھی جبکہ انھوں نے یہ منصوبہ مرتب فرمایا تھا۔

یہ خود مختار آزاد مسلم مارکیٹ حقیقتہً مسلم معیشت کا ترقی پذیر سیکٹر ہوتا جو اسٹیٹ سیکٹر سے اختیار واپس لے لیتا۔ آج مغرب خود مسلم ممالک کو مارکیٹ اصلاح کے تحت لانے اور حکومت کی معاشی پالیسی کو سیکڑنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اگر مسلمانوں کی اکثریت ۱۹۱۲ء کے منصوبے پر عمل پیرا ہوتے ہوئے مسلم عوامی تحریک کو فروغ دیتی سماج میں ایک خوشحال مسلم جزیرے کی تشکیل کے لئے تو آج ہم ایک کھلے ہوئے دروازے کو دھکا دے رہے ہوتے۔

"یہ آزاد مارکٹ آرہا ہے شرط ہے اسے اسلامی بنانے کی یقین دہانی کی۔"

کچھ لوگ اسلامی بنکاری نظام پر تنقید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رقم صرف سٹے بازی کے طور پر استعمال کی جارہی ہے۔ پریشانی یہ ہے کہ حکومتی کنٹرول معیشت میں آزاد بنکاری کا کوئی رول نہیں ہے۔ حقیقی اسلامی بنکاری نظام ہم صرف اسی وقت دیکھ سکتے ہیں جب ۱۹۱۲ء کے منصوبے کو عمل میں لایا جائے گا۔

۱۹۱۲ء منصوبہ مسلمانوں کو ایک روشن معاشی نظام فراہم کرتا ہے

۱۹۱۲ء کا منصوبہ حکومتی اختیار کو گھٹا کر اسے زیادہ ذمہ دار بنائے گا۔ اگر مسلم اکثریت حکومت سے آزاد ہوکر خود اپنی زندگی بسر کرے، حکومتی افسر شاہی خود ہی کمزور پڑ جائے گی۔ اور رشوت خوری اور بد اطواری کے مواقع کم سے کم تر ہو جائیں گے۔ سب سے اہم یہ کہ اگر مسلمان علماء و اولیاء کی قیادت برقرار رکھتے ہوئے ایک عظیم دولت و اثر دار قوم کو پروان چڑھاتے تو حکومت کو کم اہم اور زیادہ ذمہ دار بنایا جائے۔ یہ کام صرف ذمہ دارانہ سلوک کریں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت کو کم اہم اور زیادہ ذمہ دار بنایا جائے۔ یہ کام صرف ایک آزاد اور طاقتور مسلم کمیونٹی ہی انجام دے سکتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک اسلامی حکومت بھی غیر سود مند ہوگی۔ اگر مسلمان اس پر اثر انداز ہوکر ذمہ دار نہیں بنا سکتے۔ اس طاقت اور اختیار کے بغیر مسلم جزیرہ یہاں تک کہ اسلامی ریاست بھی بد اطوار اور غیر ذمہ دار ہو جائے گی۔ ہمیں یہ حقیقت

فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ پہلے امت ہے پھر حکومت۔ حکومت امت مسلمہ کی مدد کے لئے ہوتی ہے۔ اور اگر امت خود مختار و آزاد، طاقتور اور معاشی طور پر خوشحال قوم نہیں ہے تو امت کیسی اور ایسی قوم کو ضرورت ۱۹۱۲ء کا منصوبہ ہی تشکیل کر سکتا ہے۔

۱۹۱۲ء کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ یہ حکومتی کنٹرول سے باہر ان تمام بے ہودہ جھگڑوں کو ختم کرنے کا راستہ فراہم کرتا ہے جو مسلم دنیا کو سول وار سے خوف زدہ کئے ہوئے ہے۔ اول :۔ جو معاشی اور سماجی تبدیلیاں اور پیش کی گئیں حکومتی کنٹرول کی ضرورت کو کم کریں گی اور اس سے لڑیں گی۔ آج حکومتی اختیار کے بغیر بھی ایک کمیونٹی کے کام کے موقع کو چھینا جاتا ہے۔ لیکن اگر ایک آزاد معیشت کا وجود ہوتا جہاں کوئی بھی اپنی نجی تجارت چلا سکتا تو سیاسی جدوجہد کی ضرورت نہ ہوتی۔

دوسرا اور زیادہ اہمیت کا حامل نکتہ یہ ہے کہ ایک خود مختار معیشت اور معاشرتی فروغ مسلمانوں کو حکومتی کنٹرول کی تلاش اور خود اپنی حکومت کی تشکیل کا متبادل فراہم کرے گا۔ اس طرح کسی عوامی تحریک میں توانائی ضائع کئے بغیر حکومتی کنٹرول کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ یعنی اگر مسلمان حکومت سے احتراز کرتے ہوئے خود اپنی خود مختارانہ زندگی والی حکومت یا ریاست کی تشکیل کریں۔ اور جب مسلم قومیت تیزی سے دولت و طاقت سے پُر ہو کر تشکیل میں آتی تو حکومت جو اب بھی وجود میں ہے بآسانی بے پایاں معاشی، معاشرتی اور تہذیبی طاقت سے مغلوب ہوتی۔

۱۹۱۲ء کا منصوبہ حقیقتاً صرف مسلمانوں کو ہی نہیں بلکہ خود حکومت کو بھی راستہ فراہم کرتا ہے۔ الجزائر اور دوسرے ملکوں یں مسلم دنیا میں حکومت اس بری طرح ناکام ہو چکی ہے کہ مستقبل صرف سول وار محسوس ہوتا ہے جس میں حکومت کو دور بہت دور اٹھا پھینکنے کے لئے لاکھوں افراد قتل ہوں گے۔ ۱۹۱۲ء کا منصوبہ اس سول وار کا خاتمہ کرے گا ضرورت صرف اتنی ہے کہ حکومتی اختیار کم کر کے مسلمانوں کو اپنی نجی کمیونٹی، تہذیب اور قیادت پروان چڑھانے کی اجازت دی جائے۔ مسلم دنیا میں حکومت مردہ اختتام کی حالت میں ہے ۱۹۱۲ء کا منصوبہ مسلمانوں اور حکومت دونوں کو چلنے کی ایک شاہراہ فراہم کرتا ہے۔

بلاشبہ ۱۹۱۲ء کا منصوبہ مسلمانوں سے سیاسی عمل چاہتا ہے لیکن یہ کوئی انقلابی طرز کا عمل نہ ہوگا۔ مسلمانوں کو اپنی حقیقی خود مختار معیشت اور اسلامی تہذیب والی علماء و اولیاء کی قیادت والی کمیونٹی کو پروان چڑھانے کے لئے سیاسی کام کرنا ہوگا۔

اس طرح کی انجام دی جانے والی سیاسی کارروائی الگ الگ ملک میں جداگانہ نوعیت کی ہوگی اور ہر جگہ حکومت سے معاشی آزادی کی ضرورت ہوگی۔ اپنی تجارت کو چلانے کے لئے ساتھ ہی ساتھ آزادانہ اسکول، اسپتال اور رفاہی ادارے وغیرہ چلانے کی اجازت نیز شریعت پر عمل کرنے کی آزادی تاکہ اسلامی تہذیب و تعلیم کو پروان چڑھایا جا سکے۔ سب سے اہم بات یہ کہ اس طرح کے معاشرے میں علماء اور طریقت کے سلاسل کو اس مسلم جزیرے کے قلب میں اپنا مقام مل جائے گا۔

اس کے لئے انقلابی اقدام کی نہیں آزادی، برداشت و تحمل اور سکون کی ضرورت ہے۔ اور یہ مسلمانوں کے لئے ایک عہد زریں ہوگا جو حکومت کی دہشت سے خوف زدہ ہیں۔

قارئین سوال کر سکتے ہیں کہ ۱۹۱۲ء پر عملدرآمد کس قدر دشوارکن ہوگا؟ اول اس دشواری کا پیمانہ مختلف ملکوں میں مختلف ہوگا۔ بوسنیا میں جہاں یہ آزادی پہلے سے ہی موجود ہے وہاں یہ عمل کوشش بے مصرف ہوگا۔ (اور واحد شعوری ذریعہ ایسے ملک میں جو امید شکن حد تک مغربی امداد کا طالب ہے وہاں جارحیت سے احتراز کرنا چاہیے) دوم:۔ ابتداء میں زیادہ دشواری ہوگی۔ ایک بار کامل اختیار کو اقتدار والی حکومتوں کا تعاقب کیا جائے راحت پانے کی خاطر تو جلد ہی ایک بڑی کامیابی حاصل ہوگی۔ بالخصوص معاشی طور پر، اور جلد ہی مسلمانوں کے اندر اپنی آزادی کی خوشی منانے کا زبردست جوش پیدا ہو جائے گا۔

اور سوم یہ کہ مسلمان یقیناً ۱۹۱۲ء منصوبہ پر پہلے سے ہی عمل پیرا ہیں جبکہ انھوں نے اسے سنا بھی نہیں ہے۔ بہت سے مسلم ممالک میں قومیت کے فروغ کی عوامی تحریک حکومت سے کسی مدد کے انتظار و امید کے بغیر جاری ہے۔ اس طرح مصر میں مسلم سماجی خدمت کے فروغ کی ٹھیک ٹھاک بڑی تحریک جاری ہے کیونکہ حکومت فیل ہو چکی ہے اور اگر مسلم حکومت سے کسی مدد کا انتظار کرتے ہیں تو انھیں ہمیشہ کے لئے انتظار کرنا پڑے گا۔ اسلامی بینکنگ کی ایک

لمبی تاریخ ہے۔ بہت سے مسلم ملکوں میں تعلیم اسلامی کی تجدید شروع ہے اور ایسے علماء کی تربیت کی کوشش ہو رہی ہے جو حقیقتہً قومی رہنمائی کر سکیں۔ ہر جگہ بڑے پیمانے پر سلسلۂ طریقت کا بھی احیاء ہو رہا ہے، گمراہ اور سیکولر مسلمانوں کی نفرت اور اذیت رسانی کے باوجود ہمیں جو کچھ کرنا ہے شعور و فکر کے ساتھ کرنا ہے جیسا کہ ہم کر رہے ہیں لیکن یہ بھی اہم ہے کہ کمیونٹی کا فروغ جائز مقصد کے لئے ہی کیا جائے۔ کچھ مسلم ممالک میں اسپتالوں اور اسکولوں کی تعمیر کمیونٹی کے فروغ کے لئے نہ کر کے کسی مسلم جماعت یا خاص فرقہ کی عوامی حمایت کے لئے تعمیر کی جا رہی ہیں۔ حکومت اس طرح کی کمیونٹی فروغ کی راہ میں حائل ہوگی جو انقلاب کا ایک واسطہ یا گزرپھر ہے۔ بات ہے ۱۹۱۲ء کے منصوبہ پر عمل کرنے کی نہ کہ اس طرح کی لظر آنے والے کسی اور منصوبہ پر جو کہ اصلیت میں اس سے مختلف ہے۔

اور یقیناً اگر مختلف ممالک میں ۱۹۱۲ء کے منصوبے پر عملدرآمد کیا جائے تو اتحاد امت نشو و نما پائے گا۔ مسلم حکومتوں میں علماء کی آپسی بیہودہ رقابت اس اتحاد کو کمزور کرتی ہے۔ اگر ۱۹۱۲ء منصوبہ فرقہ واریت اور قومی عصبیت کو کم کرتی ہے جنھیں حکومت نے جنم دیا ہے تو تمام مسلم ملکوں میں مل جل کر کام کرنا آسان ہو جائے گا۔ آزاد معیشت مسلمانوں کے اتحاد میں اضافہ کرے گا۔ تجارتی پابندیاں قومی تنفر بڑھاتی ہیں۔ تمام مسلم ممالک میں مسلمانوں کے مابین آزادانہ تجارت کو عالم اسلام کے اتحاد کی بنیاد ہونا چاہئے۔ ابدافزا معاشی ترقی سلمانوں کی ضرورت ہجرت کو کم کرے گی۔ کیونکہ غربت کے سبب مسلمان ایسا کرتے ہیں جیسے کہ بنگلہ دیش میں۔ بیک وقت آزاد تجارت کامیوں اور تاجروں کو آزادی کی تحریک کا راستہ دکھائے گا تاکہ ہر مسلم پوری امت کو اپنا ملک تسلیم کر سکے نہ کہ ایک چھوٹی سی ریاست جہاں دوسرے مسلمان باہر کر دئے جاتے ہیں اور ان کے ساتھ اجنبیوں کا سا سلوک ہوتا ہے۔

آج مسلم ریاستیں کمزور ہیں۔ اور وہ مثال کے طور پر بوسنیا کے لئے کچھ نہیں کر سکتیں ۱۹۱۲ء کا منصوبہ انھیں بین الاقوامی سطح پر ان ریاستوں کو طاقتور بنائے گا نہ کہ کمزور۔ آج ان میں بہت سی ریاستیں اپنے ہی لوگوں سے جنگ کر رہی ہیں۔ اس طرح کی ریاستیں دنیا میں اپنا کوئی اثر نہیں قائم کر سکتیں۔ ان ریاستوں کا اسلام اور مسلمانوں سے قطعاً کوئی تعلق

بھی نہیں ہے۔ لیکن اگر ان ملکوں میں ایک مضبوط مسلم کیونیٹی موجود ہوتی تو بوسنیا کے لئے اصلیت میں کچھ نہ کچھ کرنے کے لئے اثر ڈالتی۔ بغیر معاشی کامیابی کے حکومت طاقت ور نہیں ہوسکتی حکومت کی چلائی گئی معیشت اس بری طرح ناکام ہے کہ یہ ریاستیں آج بھی آئی، ایم، ایف (انٹرنیشنل منی فنڈ) اور مغربی حکومتوں سے مالی امداد کی بھیک چاہ رہی ہیں۔ ان کی ٹیکس آمدنی بہت ہی معمولی ہے کیونکہ ان کی معیشت ناکام ہے۔ ۱۹۱۲ء کے منصوبہ کا عطا کردہ خود مختار اور آزاد مارکیٹ کا نظریہ انہیں معاشی کامیابی عطا کرے گا، اور آئی، ایم، ایف کے سامنے خوشامد کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ان کی اپنی ٹیکس آمدنی ہوگی جو ان کو طاقت میں اضافہ کرے گی۔ ان سب طریقوں سے یہ ریاستیں دنیا میں مسلمانوں کے لئے کچھ کرنے کے لائق ہوسکیں گی۔ انشاء اللہ پھر کوئی دوسرا بوسنیا وقوع پذیر نہیں ہوگا۔ اگر ۱۹۱۲ء کے منصوبے پر عمل کیا جاتا ہے تب!

امام احمد رضا کس قدر غیر معمولی ذہین تھے۔ اس منصوبے کو لائق عمل بنانے کے سلسلے میں ہم نے گزشتہ مقالات میں مختلف طریقوں سے خاکے پیش کئے ہیں۔ کسی خاص ملک میں اس منصوبے پر عمل کرنے کے لئے اس ملک کے بارے میں خصوصی واقفیت کی ضرورت ہوگی۔ ۱۹۱۲ء منصوبہ فکر و عمل کا رہنما ہے نہ کہ ان کا متبادل۔ یہ حقیقتاً تمام عالم اسلام کے لئے ایک صحیح راستہ ہے۔ یہ ساری دنیا اور دنیائے مسلم و غیر مسلم دونوں کے لئے درست ہے۔ کیوں کر دونوں نے کمیونٹی کے سامنے حکومت کو پیش کرنے کا مصیبت خیز راستہ اپنایا ہے۔ آج ہر جگہ حکومتی پالیسی ناکام ہے۔ اور راستہ صرف یہی ہے کہ حکومت سے احتراز کرکے حقیقی، آزادانہ، خوشحال اور مہذب کمیونٹی کو پروان چڑھایا جائے۔

۱۹۱۲ء کا منصوبہ صرف مسلم اکثریتی ممالک کے لئے ہی اہم نہیں ہے بلکہ برطانیہ میں ہم مسلمانوں کی بہ نسبت ان مسلمانوں کے لئے زیادہ اہم ہے کہ عالم اسلام میں جو حکومتیں ناکام ہوچکی ہیں کیونکہ ان کی حالت برطانیہ سے زیادہ بری ہے۔

حقیقتاً امام احمد رضا کا ۱۹۱۲ء کا منصوبہ ہر جگہ کے مسلمانوں کے لئے واحد منصوبہ ہے۔ ہمیں یہ کبھی نہیں بھولنا چاہئے کہ حقیقتاً اس منصوبے پر عمل پیرا ہونے کا مقصد پوری انسانیت کو اسلام کی طرف بلانا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ عزوجل سے محبت اور جنت کی خاطر!

منصوبۂ رضا پر عمل کے لئے سیاسی سرگرمی

امام احمد رضا کا ۱۹۱۲ء کا چار نکاتی پروگرام بنیادی طور پر سیاسی نہیں ہے بلکہ مقصد ہے ایک آزاد جزیرے کی حیثیت سے مسلم کیونٹی کی تعمیر اور اس کے لئے مذہبی سرگرمیوں کے لئے عمل پیدا ہونا چاہئے۔ معاشی، سماجی اور نجی و سیاسی قسم کی سرگرمیوں پر یہ مرتکز نہیں ہے۔ اس طرح کی سرگرمیوں کے لئے ضروری ہے کہ کیونٹی ہر طرح سے خود مختار و آزاد ہو۔ جب کیونٹی خود مختار ہوگی تب ہی سیاسی سرگرمی کارگر ہوسکتی ہے۔ اور اس سیاسی سرگرمی سے معاشی و سماجی آزادی کا تحفظ کیا جاسکتا ہے۔ آج کی دنیا میں حکومت سماج اور معاشیات کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اور حکومت کو جب تک مجبور نہیں کیا جائے گا سماجی، معاشی و تہذیبی شعبہ ہائے زندگی کے ساتھ آزادی کے ساتھ نہیں رہا جاسکتا۔ امام احمد رضا کے ۱۹۱۲ء کے چار نکاتی پروگرام کو عمل میں لانے کے لئے مسلمانوں کو حکومت سے آزادی ضروری ہے مسلمانوں کو کسی اور طرح سے آزادی کے لئے سیاسی طور پر خود مختار رہنا ضروری ہے

اس سیاسی آزادی و خود مختاری کے تین پہلو ہیں۔ اولاً مسلم کیونٹی کی عام آزادی اور خود مختاری یعنی حکومت کی دخل اندازی کے بغیر کیونٹی اس لائق ہو سکے کہ وہ اپنی آزاد زندگی کے لئے قومی تنظیم کرسکے۔ مسلمانوں کو اپنے خیالات کے اظہار کی تقریری و تحریری آزادی ہو۔ کیونکہ اس آزادی کے بغیر آزادانہ زندگی بسر نہیں کی جاسکتی۔ آج کچھ ممالک میں حکومت کی طرف سے کسی بھی دینی اسلامی لٹریچر پر سخت پابندی ہے۔ یہاں تک کہ وہ مساجد میں بھی اپنے خیالات کا اظہار نہیں کرسکتے۔ مسلمانوں کو اپنے سماجی ادارے مثلاً اسکول، ہسپتال، خانقاہ وغیرہ کے قیام کی آزادی ہونی چاہئے کچھ مسلم ممالک میں بھی اس طرح کے اداروں کے قیام کی

آزادی نہیں ہے بلکہ حکومت اس طرح کے ادارے خود چلاتی ہے۔ حقیقی سیاسی آزادی کا مطلب ہے کیونٹی کو اپنے قائدین کے انتخاب کی خود مختاری۔ مسلم کیونٹی میں حکومت کے ذریعے مقرر کردہ اہم ترین عہدیداران کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ مسلمانوں کو حکومت کی طرف سے بحیثیت مسلمان رہنے کی آزادی بھی ہونی چاہئے۔ اور انھیں غیر اسلامی تہذیب و قوانین کو جبراً اپنائے رکھنے کے بجائے شریعت پر عمل کرنے کی آزادی ملنی چاہئے اور اپنے معاملات و آپسی مقدمات شریعت کی روشنی میں باہم فیصل کرنے کی آزادی بھی چاہیئے۔ مسلمانوں کو اپنی تجارت کی آزادی چاہئے نہ کہ جبراً حکومتی کارخانوں میں کام کرنے کی پابندی۔ انھیں کسی بھی مقام پر رہنے کی آزادی بھی چاہئے۔ لیکن بہت سے ملکوں میں اس طرح کی آزادی پر بھی پابندی ہے۔ ایک شخص حکومت کی اجازت کے بغیر ایک شہر سے دوسرے شہر بھی نہیں جاسکتا اور ایسی حالت میں مسلم کیونٹی کا وجود کہاں برقرار رہ جاتا ہے جبکہ وہ وہاں نہیں رہ سکتا جہاں اس کے دوسرے مسلم برادران و رفقا رہتے ہیں؟ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کو ایک ملک سے دوسرے ملک میں آزادانہ آنے جانے کی اجازت بھی ہونی چاہئے کہ ہر مسلم امت مسلمہ کا ایک رکن ہے کسی حکومت کا قیدی نہیں۔ آجکی جدید دنیا میں ہجرت کی یہ آزادی دن کے خواب کی مانند ناممکن ہے۔ البتہ قرونِ وسطیٰ میں یہ ضرور ممکن تھا۔ ان تمام امور پر ۱۹۱۲ء کا منصوبہ عام آزادی اور حکومت سے خود مختاری کا مطالبہ کرتا ہے۔

دوم:۔ اس آزادی و خود مختاری کا مطلب ہے باضابطہ اور قطعی آزادی، مثلاً اگر مسلمان آزاد معیشت کے قابل ہیں تو ہر مسلمان کو اپنی تجارت کی ہر طور سے آزادی ہونی چاہئے۔ بلاشرکتِ غیرحق تجارت، وسیع پیمانے پر قائم کردہ حکومتی پابندیوں کا خاتمہ اور ذاتی طور پر معاشی علاقہ کی تشکیل جہاں مسلمان آزادانہ تجارت کر سکیں اسلامی بینکنگ کی آزادی پر حکومتی قانونی پابندیاں اور مرکزی بینکوں کی کارروائی عائد کردی گئی ہیں۔ مسلمانوں کو سائل معاملات جیسے شادی، طلاق، خاندانی امور، ذبیحہ وغیرہ میں

شریعت کی رو سے عملدرآمد کی آزادی ملنی چاہئے۔ برطانیہ میں حکومتی شہری قانون کی رو سے مساجد کے قیام کے لئے بھی سخت مشکل ہے۔ سنہ ۱۹۱۲ء منصوبہ اس طرح کی آزادی کی مشکلات کو نظر انداز کر کے مسئلہ کو سلجھاتا ہے۔

سوم:۔ اس آزادی اور خود مختاری کا مطلب ہے مسائل کے حل کے لئے حکومت کے پیچھے بھاگنے سے احتراز۔ بہت سے مسلمان سوچتے ہیں کہ تعمیر مسجد کے لئے رقم کی فراہمی کی خاطر حکومت کے پیچھے بھاگنا چاہئے۔ بہت سے یہ خیال کرتے ہیں کہ بروزگار مسلمانوں کے روزگار کے لئے سیاست دانوں کے پیچھے بھاگنا چاہئے۔ وہ سوچتے ہیں کہ اگر مسلمان کو سیاسی طور پر اہمیت حاصل کرنی ہے تو اس کے لئے انھیں لیبر پارٹی سول سروس، مقامی یا مرکزی حکومت اور کابینہ میں وہ مقام حاصل کرنا ہوگا۔ سنہ ۱۹۱۲ء منصوبہ اس کی مخالفت کرتا ہے۔ اس کے مطابق مسلمانوں کو حکومت کو نظر انداز کر کے اپنی رقم سے مسجد کی تعمیر کرنی چاہئے۔ اپنی تجارت چلانی چاہئے اور اپنی مسلم کیونٹی کی طاقت اور وزن سے گورنمنٹ پر اثر انداز ہونا چاہئے نہ کہ چند لوگوں کا کافر سماج میں عہدہ و منصب حاصل کر لینا۔ اس آزادی کا مطلب ہے حکومتی امداد واس کے ذریعہ حل کئے جانے والے معاملات کا انکار! مسلمانوں کو حکومت سے قطع نظر کر کے علماء، واولیاء کی قیادت والی پُراعتماد کیونٹی کی تشکیل کرنی چاہئے۔

مسلمانوں کی تمام سیاسی جدوجہد کا مقصد سیاسی آزادی اور خود مختار کیونٹی کا قیام ہونا چاہئے تاکہ سنہ ۱۹۱۲ء منصوبہ ممکن العمل ہو سکے۔

آج برطانیہ میں اس طرح کی آزادی بیشتر مسلمانوں کو میسر ہے اور سنہ ۱۹۱۲ء کے منصوبے کو لائق عمل بنانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ ہم وہاں ایک مضبوط روادار حکومت میں رہتے ہیں۔ ہمیں وہاں اس موجودہ آزادی کا صحیح استعمال کرتے ہوئے اس خاص قسم کی آزادی کے لئے مزید سرگرم عمل رہنا چاہئے جو ابھی ہمیں میسر نہیں ہے۔

اس طرح کی آزادی بیشتر مسلم ممالک میں مفقود ہے اور وہاں ایک آزاد مسلم کیونٹی کی تشکیل کی ابتدا کے لئے بڑے پیمانے پر سیاسی سرگرمی کی ضرورت ہے۔

اس منصوبے کو لائق عمل بنانے کے لیے سیاسی طریقوں کے استعمال کی تعریف آسان ہے اور وہ کوئی بھی تدابیر ہوسکتی ہیں کہ جن کے توسط سے صحیح معنی میں حکومت سے آزادی حاصل ہوسکے۔ بلاشبہ الگ الگ ملکوں میں سیاسی سرگرمیاں جداگانہ نوعیات کی ہوں گی۔ اور زیادہ بہتر اس ملک کا باشندہ ہی جان سکتا ہے کہ اس منصوبہ پر عملدرآمد کرنے کے لیے کس طرح کی سیاسی سرگرمی کی ضرورت ہوگی۔ لہٰذا اس کے لیے گہرے مطالعے اور بصیرت کی ضرورت ہے کہ کسی خاص ملک میں کس طریقہ سے مقصد حاصل کیا جائے۔ لیکن جیسا کہا گیا کوئی بھی ترکیب جو قابلِ قبول ہو تو اس کا مطلب ہے کہ مسلمانوں کو موجودہ مرتب شدہ وسیع سیاسی تراکیب سے چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا جن پر وہ آج عمل پیرا ہیں کیونکہ وہ ۱۹۱۲ء کے منصوبے کے بالکل ضد ہیں۔

برطانیہ میں بہت سے مسلمان نسلی رشتہ کی استواری میں اپنا وقت خرچ کرتے ہیں۔ اس کوشش میں کہ حکومت گوروں کو کالوں (مسلمانوں) کے روزگار کے لئے مجبور کرسکے اسے متحدہ ریاست ہائے امریکہ میں ایجابی (اقراری) طریقہ کہتے ہیں۔ یہ طریقہ مسلم کمیونٹی کی تعمیر کا طریقہ نہ ہو کر کافر سماج میں حصول روزگار کا طریقہ ہے۔ یہ طریقہ قطعاً ناکام ہے۔ مسلمان اس سے کچھ نہیں پار ہے ہیں۔ اس امر میں وہی لوگ اچھی حالت میں ہیں جو نسلی استواری (قومی یک جہتی) کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کو حکومت کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی اس پالیسی کو ترک کردینا چاہیے۔ انھیں خود پر بھروسہ کرنا چاہیے اور حکومت سے صرف اسی رقم کا مطالبہ کرنا چاہیے جو ہر شہری کا مساوی حق ہے۔ جیسے کہ ہر بچے کو مفت تعلیم کے لئے حکومت کی جانب سے دی جانے والی رقم یا بڑھاپے کی پنشن کے طور پر دیا جانے والا روپیہ۔ حالانکہ یہ روپیہ بھی مسلمانوں سے نفرت کا سبب بنتا ہے۔ حکومت سے ہر طرح کی زائد امداد کی طلب اور بھی دھماکہ خیز ہے۔ اگر مسلمان خود پر بھروسہ رکھتے ہوئے تجارت کو فروغ دیتے تو شاید چند ہی لوگ بے روزگار ہوتے۔ اور ان لوگوں کے تنفر میں کمی آتی جو اس خیرات کے حصول کو جرم

سمجھتے ہیں۔ اس طرح کے نسلی رشتہ کی استواری کے لئے صرف اس حد تک کام کرنا چاہئے جس سے جبر کے شکار مسلمانوں کا تحفظ ہو سکے۔

بہت سے لوگ اسلامی انقلاب اور اقتدار پر قبضہ کی خاطر کمیونسٹ یا فسطائی پارٹیوں کے نمونے پر سیاسی سرگرمی کی تنظیم کی کوشش میں اپنا وقت صرف کرتے ہیں۔ برطانیہ جیسے ملک میں یہ کوشش دن میں خواب دیکھنے کی مانند ہے۔ اور یہ مسلمانوں کو (مسلم کمیونٹی کو) بھاری مشکلات میں مبتلا کرتی ہے۔ سنہ ۱۹۱۲ء منصوبہ برطانیہ میں آزاد سیاسی کمیونٹی کی راست قامتی کی تلاش تو کرتا ہے مگر حکومت میں حکومت کی راست قامتی تلاش نہیں کرتا۔ اس کا مقصد ہے ایک پرامن اسلامی زندگی نہ کہ حکومت کو چیلنج بلکہ حکومت سے دھیان ہٹانا اور حکومت کرنے والوں کی پالیسی سے خود کو دور ہٹانا۔ مقصد ہے کمیونٹی کی معیشت اور معاشرہ کو اس طریقہ سے منظم کرنے کی تاکہ حکومت سے کسی امداد کی ضرورت نہ پڑے۔

حزب التحریر جیسے مسلم گروپ اس بات کو بالکل صاف ظاہر کر رہے ہیں کہ انکا مقصد حکومت کے اندر حکومت کی راست قامتی ہے اور اگر ممکن ہو سکے تو اسے ختم کر کے اپنی حکومت قائم کرلی جائے۔ دوسرے مسلم گروپ مسلمانوں کے ایک بڑے دباؤ ڈالنے والے گروپ کی تنظیم کے خواہاں ہیں تاکہ مسلمانوں کے اجتماعی عمل سے حکومت سے رعایت پانے اور برطانوی سماج میں اونچا منصب حاصل کرنے کیلئے حکومت پر زور ڈال سکیں۔ یہ بہت دھماکہ خیز ہے۔ گزشتہ مقالہ میں تحریر کیا گیا کہ اگر فرقہ واریت اور نسلی عصبیت مانع نہیں ہوتی ہیں تو برطانیہ میں سو برس کے اندر مسلمان اکثریت میں ہو جائیں گے۔ اگر آج برطانیہ میں دس لاکھ مسلمان ہیں تو ہر بیس سال میں یہ دگنے ہو جاتے ہیں تو سو برس میں ان کی تعداد تین کروڑ بیس لاکھ ہو جائے گی لیکن اگر کمیونٹی پر حزب التحریر جیسے لوگوں کی گرفت رہتی ہے تو برطانویوں کے لئے یہ اس قدر ہتک آمیز دست اندازی ہوگی کہ وہ پوری کمیونٹی کو ملک بدر کر کے یا کسی دوسرے طریقے سے برباد کر سکتے ہیں۔ اس طرح کی سیاست خطرناک ہے اور اسے ترک کر دینا

ہے۔ مسلم دنیا میں اسلامی انقلاب کی اس طرح کی کوشش بالکل ناکام ہو چکی ہے
ور ہزاروں نہیں سیکڑوں مردہ ہو چکے ہیں۔ سنہ ۱۹۱۲ء کا منصوبہ مسلم دنیا میں مسلمانوں
ر حکومت دونوں کے لئے راستہ ہموار کرتا ہے۔ جو خود اپنے ہی حکمرانوں کے پھندے
ں پھانس لئے گئے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا حکومت سے احتراز اور اس سے علیحدہ ایک
زاد زندگی ہی اس سیاست کے مقاصد ہیں۔ اس لئے مسلم دنیا میں حکومت کو اکھاڑ
پھینکنے کی جہاں ضرورت نہیں ہے۔ یہ بوسنیا اور کشمیر جیسے مقامات میں لائق عمل نہیں
ں جہاں مسلمان اجتماعی قتل سے دوچار ہیں۔ مسلمانوں کو زندہ رہنے کے لئے
ونا چاہئے نہ کہ مرنے کے لئے۔ لیکن خوش قسمتی سے مسلم دنیا میں حکومتوں کی بڑی اکثریت
تنی بدتر نہیں ہے جتنی سربیا ہیں۔ اس لئے مسلمان موجودہ حکومت کو تسلیم کر سکتے ہیں
ور انھیں صرف آزاد اسلامی زندگی کے حصول کے لئے کام کرنا چاہئے۔ جیسا کہ میں نے
زشتہ مقالہ میں اشارہ کیا ہے یہ خود حکومتوں کے لئے قیمتی راستہ ہموار کر سکتا ہے۔

ہم یہ اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کوئی بھی سیاسی تدبیر جو کارگر ہو
کرنی چاہئے۔ لیکن ایسی تدابیر جو خطرہ پیدا کرنے والی ہوں ان سے احتراز کرنا چاہئے یا
جو آزادی اور خود مختاری سے دور کر دے۔

حقیقتہً جس کی ضرورت ہے وہ ہے مسلم دنیا کے ہر ملک اور ہر علاقہ میں
سیاست میں اندرونی کام کے لئے گہرا مطالعہ۔ مسلم دنیا کی شاہی اور مطلق العنان
بہروپ والی حکومتوں میں حصول ترقی کی راہ میں ہمیں گہری بصیرت والے لوگوں کی ضرورت
ہے۔ جیسے کہ وہ لوگ فرانس یا جرمنی یا متحدہ ریاست ہائے امریکہ کے سیاسی نظام میں
حصول کامیابی کا طریقہ سمجھ سکتے ہیں۔ ہر جگہ مطالبہ یہی ہے کہ مسلمانوں کو آزاد کر دیا جائے

ہمارا قاری اب پوچھ سکتا ہے کہ ضروری سیاسی سرگرمیوں میں کون شریک
ہے۔ جواب آسان ہے کہ ہر مسلم اور مسلمہ اپنے ایک خاص انداز میں شریک ہے۔
سنہ ۱۹۱۲ء منصوبہ ہر مسلم کی تحریک ہے اور یہ سیاست میں بھی اتنا ہی قابل اطلاق ہے
جتنا دوسرے پہلوؤں میں۔

اس بات کی کوئی تخصیص نہیں کہ مسلمان کہاں رہتے ہیں، کیا کرتے ہیں یا وہ کتنے اہم ہیں، وہ سیاسی عمل کر سکتے ہیں۔

مسلمان ووٹ دے سکتے ہیں۔ مختلف مسائل پر اخبارات کو خطوط لکھ سکتے ہیں، اس منصوبہ کے کسی ادنیٰ یا اہم پہلو پر مدد کے سلسلے میں مقامی کونسلر یا ایم۔ پی سے شکایت کر سکتے ہیں۔ گورنمنٹ یا سیاست میں شامل مسلمان اس سلسلے میں خاص طور سے مددگار ثابت ہو سکتے ہیں بشرطیکہ وہ مسلمانوں کو حکومت سے آزادی دلانے نہ کہ حکومت کو کنٹرول کرنے کے سلسلے میں بلکہ مسلم مفاد میں گورنمنٹ یا سیاست میں حاصل اپنی پوزیشن کا استعمال کریں۔ مسلح افواج یا دیتے، سیاست، حکومت یا انتظامیہ میں شامل مسلمان اس منصوبے کے سلسلے میں خصوصیت سے مدد اور مشورہ دے سکتے ہیں اور اپنی دوستی اور روابط کانٹ ورک استعمال کر سکتے ہیں۔

لیبر پارٹی یا لبرل ڈیموکریٹک پارٹی میں شامل مسلمان حکومت سے مسلم آزادی کے لئے اپنے رسوخ کا استعمال کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو تعمیر مسجد کی اجازت دلاکر یا اسی طرح کے کسی اور معمولی کام میں مدد کر کے۔

لیکن سیاست کی ابتدا لاکھوں سے ہوتی ہے۔ اس آزادی کے حصول اور تحفظ کے لئے جو چیز اصلیت میں سیاست میں شمار کی جائے گی وہ ہے عامۃ المسلمین کی لاکھوں کی تعداد۔ اگر لاکھوں عام مسلمان اس ۱۴۱۲ھ منصوبے کو چلانے میں مدد کریں تو وہ حکومت کو جائز کام کرنے میں اثر انداز کرنے کی خاطر اصل طاقت فراہم کریں گے۔

اور بلاشبہ یہ مکمل قوتِ حیات ہے کہ مسلم قیادت علماء و اولیاء کے ہاتھوں میں دی جائے لیکن یہ فوراً ممکن نہیں۔ دوسرے مسلمانوں کو گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ اسے ممکن بنانے کے لئے عمل کرنا چاہئے۔ مسئلہ ہے ان مقامات پر مناسب علماء کی کمی کا جہاں وہ برسوں سے دبا دئے گئے ہیں اور علم دین کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ مسلم دنیا کی بہت سی ریاستوں میں علماء اور ان کی تربیت پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ حکومتی پابندی سے آزاد اور عصر جدید میں واقعتہً صحیح مسلم رہنمائی کرنے والے قابل علماء تیار کرنے

میں برسوں لگیں گے۔ اور بہت سے مسلم ممالک میں اولیا کو دبا کر رکھ دیا گیا ہے۔ بلاشبہ عوام کی حمایت سے علماء اور اولیاء کو ہی کو مسلمانوں کی رہنمائی کرنی چاہئے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ان حضرات کو عوامی حمایت، احترام حاصل کرنے میں سخت محنت کرنی ہوگی لیکن یہ سب سے بڑی دشواری نہیں ہے۔ ہر معاملہ میں حکومت پر بھروسہ کی پوری روایت اور اسی کے اگلے اقدام کا انتظار کرنا تو آسان ہے لیکن جب ۱۹۱۲ء منصوبہ عمل میں لایا جائے گا تو دشواری پیدا ہوگی۔ لیکن یہ منصوبہ کسی اور متبادل منصوبہ سے آسان تر ہے۔ مسلم، غیر مسلم اور حکومت کے لئے کیونکہ دوسرے متبادل ناکام ہو چکے ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ یہ سیاست کب تک بروئے کار لائی جاتی رہے گی تو جواب ہے کہ جب تک حکومت سے آزادی اور خود مختاری حاصل نہ ہو جائے اور پالیسی وہی جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔ آج برطانیہ میں ضروری بنیادی آزادی میسر ہے۔ بہت سے ملکوں میں اس سیاست کو قابل غور بنانے ہی میں دہائیاں لگ سکتی ہیں۔ اس لئے کہ انتظار کیا جائے کہ بادشاہ یا مطلق العنان حکمراں کب اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے لیکن آج یہ حکومتیں اس طرح ناکام ہو چکی ہیں کہ وقت اس ۱۹۱۲ء منصوبے کی حمایت میں ہے۔

لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ جب تک حکومت برقرار رہے مسلمانوں کو خود کا تحفظ کرنا چاہئے۔ ۱۹۱۲ء منصوبہ کا پہلا عملی قدم ہوگا حکومت کو عوام سے بہتر برتاؤ کیلئے ذمہ دار بنانا۔ کیونکہ یہ ہر شہری کا حق ہے کہ اس پر ذمہ دارانہ حکومت کی جائے۔ یہ زیادہ فکر کی بات نہیں کہ مسلمان کس حد تک آزاد ہیں، یہ آزادی کبھی بھی لی جا سکتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو حکمراں کی مخالفت میں رہتے ہوئے خود کو حفاظتی پوزیشن میں رکھنا چاہئے یہ کہاوت اب بھی سچ ہے کہ آزادی کی قیمت دائمی منعز بیداری ہے۔

لیکن بے شک جیسے جسامت، قوت اور خوش حالی میں خود مختار کمیونٹی تشکیل پاتی ہے ہمیشہ اس کی آزادی) کا حصول مشکل تر ہو جائے گا۔ لیکن ہمیں یہ بھی نہ فراموش کرنا

چاہیئے کہ مغرب کی آمد سے قبل مسلمان یہ آزادی رکھتے تھے۔ اور جب بھی ان سے یہ آزادی چھینی گئی کمال اتاترک جیسے مسلمان ہی کے ذریعے چھینی گئی جس نے علماء' اولیاء اور شریعت کو تباہ کیا۔

ماضی کے پاس کئی سبق ہیں اور ہمیں یہ دیکھنے کے لئے کہ ماضی میں ۱۹۱۲ء منصوبہ ہی کے قسم کے منصوبے کس طرح عمل میں لائے گئے تھے، مسلم تاریخ کا مطالعہ کرنا ہوگا مثلاً سلسلۂ نقش بندیہ کو ہمیشہ سے غلبۂ اسلام اور مسلم کیونٹی کو خود مختاری دلانے میں تخصص حاصل تھا۔

اگر یہاں پر بتائے ہوئے طریقوں پر ۱۹۱۲ء منصوبہ عمل میں لایا گیا ہوتا تو مسلم دنیا میں ایک نئے طرز کی حکومت وجود میں آتی۔ آج کی مسلم دنیا کی سیاست خوفناک اور خوف زدہ کرنے والی ہے۔ ہماری سیاست کے مقاصد اور تدابیر عام طور سے کیمونزم فسطائیت اور نازی ازم کی نقالی ہے۔ حکمراں اور اسلامی کہی جانے والی سیاست دونوں خوف زدہ ہیں۔ مسلم دنیا میں بذاتِ خود بہت سے خوف ہیں لیکن اس وجہ سے کہ اسلامی سیاست کی باگ ڈور ان مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے جو سیاست سے بالکل نابلد ہیں ۱۹۱۲ء منصوبہ کی چاہی سیاست اس خوفزدگی کو ختم کر دے گی۔ اس کا مقصد خود مختاری ہے نہ کہ اقتدار۔ مقصد ہے اسٹیٹ اور اس کے اختیار کو کم سے کم اور محدود کر دینا۔ یعنی مقصد ہے پولیس اور خفیہ پولیس سے اختیار واپس لے کر مسلمانوں کو آزادی وخود مختاری دلانا۔ اس سیاست کا انحصار اس پر ہے کہ کیا حاصل کر پانا ممکن ہے نہ کہ اس پر کہ ناممکن خوابوں کے پیچھے بھاگ کر لاکھوں جانوں کی قیمت ادا کی جائے یہ سیاست مسلم دنیا میں موجودہ نظام کو تسلیم کرتے ہوئے اس صلح پر منحصر ہے کہ ان سے سماج کو آزادی دینے کے لئے کہا جائے جبکہ حکومت ناکام ہو چکی ہے۔ یہ سیاست مسلمین اور غیر مسلمین کے درمیان پُرامن زندگی گزارتے ہوئے ایک ممکن الحصول ہم آہنگی پر منحصر ہے۔ کیونکہ کوئی بھی اپنے لئے حکومت کے اختیار سے دولت اور اقتدار کے استعمال کی کوشش نہیں کر رہا ہے۔

یہ سیاست مسلمانوں کی محبت اور کمیونٹی کی نگرانی اور پرواہ داری پر منحصر ہے۔ کمیونٹی کو خطرے میں ڈال کر ایک سیاست داں کا اپنے کیریر کو کامیاب بنانے والی پرخطر اور جوکھم سیاست کی بہ نسبت امام احمد رضا کے نقطۂ نظر میں کوئی بھی شے بدتر نہیں ہے۔ پوری ہندی مسلم کمیونٹی کو خطرے میں ڈالنے والی اس جوکھم سیاست پر امام احمد رضا نے اپنی زندگی میں بھی نکتہ چینی کی تھی۔

مغرب کی آمد سے قبل اس طرح کی پرامن اور ہم آہنگی والی سیاست صدیوں سے سلطنت عثمانیہ و سلطنت مغلیہ میں موجود تھی جس نے بے پایاں طاقتور اور شاندار تہذیب کو ممکن بنایا تھا۔

اگر امام احمد رضا کے ۱۹۱۲ء کے منصوبے والی سیاست ہی مسلم دنیا کی سیاست ہوتی تو پوری مسلم دنیا راحت کی سانس لیتی۔ پوری مسلم دنیا کو اس نئی سیاست کی فوری ضرورت ہے۔ یہ منصوبہ حقیقۃً مسلمانوں میں نئی امید لا سکتا تھا۔ پرانی سیاست مسلمانوں کو تباہ کر رہی ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے بے شک بہت سے مسلمین اس منصوبہ پر عمل پیرا ہیں۔ دوسری تمام تدبیریں ناکام ہو چکی ہیں اور صرف یہی سیاست مسلم کمیونٹی سے فروغ میں مدد بہم پہنچانے کا ایک راستہ ہے۔ اگر یہ سیاست قصد و شعور کے ساتھ خاص طور سے عمل میں لائی جاتی تو ایک بڑا فرق قائم ہو جاتا کیونکہ دوسری سیاسی سرگرمیاں مسلمانوں کے لیے اس قدر خطرناک ہیں کہ ان سے چھٹکارا پانا اسی وقت ممکن ہے جب اس کی جگہ پر اصل سیاست کو بروئے کار لایا جائے۔

امام احمد رضا نے اس منصوبہ کو ۸۰ سال قبل تجویز فرمایا تھا۔ یہ ان کے بے انتہا ذہانت کی پہچان ہے کہ آج یہ منصوبہ مسلم مسائل کے حل کی کلید بن سکتا ہے۔ اور یہ اسلام کی حقانیت کی صرف ایک علامت ہے اور امام احمد رضا نے جو کچھ کیا اس کی اساس نبی کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پایاں عشق تھا۔

ہمیں اللہ تعالیٰ سے سچائی پر ہدایت اور کامیابی کی دعا کرنی چاہئے۔

امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ۱۹۱۲ء کے چارنکاتی پروگرام میں مذہب کا مقام

گزشتہ مقالہ میں ہم نے اس پروگرام کے سیاسی، سماجی اور معاشی پہلو پر خاص طور سے توجہ مرکوز رکھی ہے۔ اور اس کے مذہبی پہلو کو صرف مس کیا ہے۔ لیکن امام احمد رضا کے منصوبہ میں یہی مذہبی پہلو سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اور اس مقالہ کا مقصد یہی ظاہر کرنا ہے کہ یہ پہلو اس منصوبے میں کس طرح مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور مذہب کی یہی مرکزی اہمیت مسلمین اور تمام انسانیت کے لئے کس قدر عظمتوں کی حامل ہے۔

امام احمد رضا نے خود فرمایا ہے کہ اس منصوبہ کا مرکزی اور اہم ترین اصول اسلام میں حقیقی عقیدہ اور کامل یقین رکھنا ہے۔ ہمارے اگلوں نے مذہب کو اولیت دینے کی وجہ سے وقار و کامرانی حاصل کی تھی اور آج ہمارے زوال کا سبب اسی مذہب اسلام سے بیزاری اور دوری ہے۔ یہ دین ہی تھا جس نے مسلمانوں کو قابل تعریف اور لائق حکومت بنا دیا تھا۔ لہٰذا یہی مذہب سے وابستگی کا چوتھا نکتہ رضا کے منصوبہ میں سب سے اہم تھا۔ جو حقیقتہً علم دین اور سنت کی ترویج و اشاعت اور ان کی تجدید تھی۔ دین اور دینداروں کو بے وقوف سمجھ کر ان کی تضحیک، غیر اسلامی تہذیب کو اپنا کر کفری سماج سے رغبت ہی زوال کا سبب تھا۔ یہ مذہب ہی تھا جس کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہنے کی وجہ سے مسلمان حقیقی معنی میں پھر سے عظمتوں کے حامل ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ میں یقین کے سوا کوئی اور طاقت اور مضبوطی نہیں تھی۔ اس کے علاوہ دوسرا متبادل صرف غربت، رسوائی اور جہالت میں ڈوب جاتا تھا۔

امام احمد رضا کے منصوبہ کا اصل مقصد سیاسی یا سماجی نہ ہو کر مذہبی تھا اور یہی تجدید اسلام تھی۔ اس منصوبہ کا مقصد ان مسائل دنیا کے حل کی تدبیر تھا جن سے مسلمان دوچار

تھے لیکن مقصد محض دنیوی نہیں تھا بلکہ مذہبی تھا. مذہب اس منصوبے میں محض حادثاتی نہیں تھا بلکہ اس کا مرکزی پہلو تھا. امام احمد رضا کے لئے اسلام صرف ایک نسلی پہچان یا فرقہ وارانہ قومیت نہیں تھا بلکہ ایک دین تھا اور مقصد تھا اس منصوبہ پر عمل کرتے ہوئے مسلم کمیونٹی کی تعمیر نَو، اور یہی تھا اسلام کی تجدید اور اس کا مکمل قیام نَو. مسلمان بدنصیب جماعت نہیں تھے جنھیں اپنے مسائل سے گلو خلاصی کی ضرورت تھی. یہ وہ لوگ تھے جو ایک حقیقی الہٰ اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کیونٹی کی تعمیر کر سکتے تھے اور اس طرح اسلام کی تعمیر نو کر سکتے تھے. اس منصوبہ پر عمل درآمد کا خاص وسیلہ مذہب تھا اور یہی اس منصوبے پر عمل درآمد کا خاص مقصد تھا. ہر طرح سے مذہب ہی کو اس منصوبہ میں اولیت حاصل تھی.

اگر ہم اس چار نکاتی پروگرام کے مختلف اجزا پر مذہب کے رول پر غور کریں اور بحالی مسلم کی حکمت عملی پر توجہ دیں تو دیکھ سکتے ہیں کہ اس منصوبہ میں مذہب کس طرح مرکزیت کا حامل ہے. ہر طرح سے مذہب ہی اس منصوبہ کا مذہبی کردار ہے.

اس منصوبہ کا پہلا حصہ مثلاً علماء اور اولیاء کی قیادت والی مسلمانوں کی سیاسی آزادی تھا. لیکن بلاشبہ مذہب پر پابندی اور حیات کے مذہبی نقطۂ نظر کے بغیر علماء اور اولیاء رہنمائی کبھی نہیں کر سکتے تھے. اگر مقصد صرف فرقہ واریت پر مبنی ہوتا تو سیاست داں اور صحافی بھی قائد ہو سکتے تھے. علماء اور بالخصوص اولیاء کی مذہب سے گہری وابستگی مسلم تھی. اس طرح مذہب ہی کلید ہے.

منصوبہ کا دوسرا حصہ معاشی تھا. یعنی مسلمانوں کو آپس میں خرید و فروخت کے کاروبار اور آزاد مسلم اسلامی بنکاری نظام کے ساتھ خود مختار مسلم معیشت کا نشوونما جب یہ خود مختار معیشت پروان چڑھ گئی ہوتی تبھی مسلمان اس سے بڑا فائدہ حاصل کر سکتے تھے. لیکن اس سے قبل کہ یہ پروان چڑھتا مسلمانوں کو تجارت اور بینکنگ میں مسلمانوں ہی کو ترجیح دینی چاہئے تھی. جس کا مقصد مسلموں کو ارادی طور پر اولیت دینا ہوتا. یعنی اسلامی بینکنگ کے قیام میں شریعت کی اولیت! مذہب اس طرح یہاں بھی کلید ہے.

اس منصوبہ کے معاشی پہلو کا ایک بڑا حصہ اچھے کاروبار کا فروغ تھا۔ یعنی امام احمد رضا کے مطابق بہتر اسلامی تجارت جو مذہبی اصولوں اور شریعت پر مبنی ہو۔ گویا کہ دیانتدارانہ سوداگری اور بیجا رقم کی بربادی اور فضول خرچی سے اجتناب۔

اور معاشی اور سماجی امور میں معاملات اور جھگڑوں کی علماء، اولیاء کے ذریعہ فیصل کرانا اور تمام کاروباری فروخت واقرار وغیرہ کا شریعت مطہرہ کی نگرانی میں برتاو یہاں بھی مذہب ہی کلید ہے۔

محض معاشی فروغ خالصتہً سیکولر بھی ہوسکتا تھا مگر امام احمد رضا کے نظریہ کا معاشی فروغ مذہب اسلام و شریعت اور اولیاء و علماء سے زبردست اور گہری وابستگی کا طالب تھا۔ مذہب اس طرح یہاں بھی بنیادی کلید ہے۔

پورے منصوبہ کا مقصد تھا کیمونٹی کا فروغ اور یہاں ہر صورت میں مذہب کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ اسلام کے ارکانِ خمسہ بذات خود مقامی اور بین الاقوامی طور پر کیمونٹی کی تشکیل کرتے ہیں۔ مساجد جہاں روزانہ پانچ وقت نماز ادا کی جاتی ہے، وہاں مسلمان آپس میں ملتے جلتے ہیں اور یہ ان کے مابین بھائی چارہ کی تعمیر کرتی ہے۔ مساجد مسلمانوں کی علیحدگی اور تنہائی کو مٹاتی ہیں۔ مقامی مسلمان روزانہ کئی بار ملاقات کرتے ہیں۔ مسجد اور اس میں جاری مکتب بچوں کو خاص طور سے کیمونٹی میں شمولیت دیتے ہیں۔ ہر رات نماز میں مسلمانوں کا اجتماع رمضان میں قوم کے لئے ایک خاص جوش کا وقت ہوتا ہے۔ عیدین بھی پوری کیمونٹی کو ایک وقت میں ایک مقام پر لاکر کھڑا کر دیتی ہیں اور قوم کی اجتماعیت کا اظہار کرتی ہیں۔ حج بین الاقوامی مسلم برادری کی تعمیر کرتا ہے اور مسلمانوں کو ایک امت ہونے کا شعور عطا کرتا ہے۔ زکوٰۃ کیمونٹی کے ناداروں کی مالی امداد کے ذریعہ پوری قوم کو اتحاد کی ڈور میں باندھتی ہے۔ بہت سے گمراہ مسلمان ان ارکانِ خمسہ کو محض مذہبی ہی کہتے ہیں۔ لیکن حقیقۃً قومیت کی تشکیل میں اس ارکانِ خمسہ سے زیادہ کوئی اور چیز کارگر نہیں!

اور سلاسل طریقت بہت ہی قوی انداز میں قومیت کی تشکیل کرتے ہیں۔

طریقت اسلام کا ایک اہم معاشرتی ادارہ ہے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ اس نے اسکولوں اسپتالوں، نوجوانوں کی انجمنوں اور خیراتی اداروں کے توسط سے کمیونٹی کے فروغ کا اہم کردار نبھایا ہے۔ طریقت میں ذکر کی محافل ٹھیک اسی طرح کمیونٹی کے اتحاد کا فریضہ انجام دیتی ہیں۔ جس طرح مساجد، پیرانِ طریقت سلسلہ کے پیر بھائیوں اور بہنوں کو پوری دنیا میں ایک دوسرے کے اتحاد کے بندھن میں باندھ دیتے ہیں۔

سنتیں بھی کمیونٹی کے اتحاد کا کام کرتی ہیں۔ سلام و مصافحہ کسی اور شے سے زیادہ قومی اتحاد میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ شادی سے لیکر تدفین تک کی تمامی مذہبی امور طاقتور سے طاقت ور کمیونٹی کی تشکیل کرتے ہیں۔

ایک سیکولر مزاج شخص کی بحث کے مطابق مسلمان صرف نسلی پہچان کی بنیاد پر قومیت کی تشکیل کر سکتے تھے اور آپسی مفاد اور عام شعور کی بنیاد پر سماجی اور معاشی فروغ کو کامیاب بنا سکتے تھے۔ جواب آسان ہے کہ سیکولرسٹ صرف نسلی پہچان کی بنیاد پر فروغ قومیت کر سکتے تھے۔ لیکن اسلام اس سے سوگنا بہتر یہ فریضہ انجام دیتا ہے۔ مذہب کے توسط سے کمیونٹی کا سیاسی اور سماجی فروغ سب سے زیادہ بہتر ہے۔ اور لوگ جتنے زیادہ دیندار ہوں گے کمیونٹی اتنی ہی مستحکم ہوگی۔

جیسا کہ پہلے بتایا گیا مسلمانوں، شریعت مطہرہ، دینی اداروں، عالموں اور ولیوں نیز نبی کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری وابستگی اور محبت ہی اس منصوبہ کو چلانے کی کلید ہے۔ اور یہ محبت کے جذبے صرف مذہب سے ہی پیدا ہوں گے۔

اب ہم اس منصوبۂ امام احمد رضا کے اہم ترین خدو خال کی طرف آتے ہیں۔ بہت سے سیکولرسٹ سوچتے ہیں کہ مذہب، سیاسی، سماجی اور معاشی زندگی کی دشمن ہے اور اس کا تعلق صرف عبادات اور اخروی زندگی سے ہے۔ یہ موجودہ زندگی اور عملی سرگرمیوں کو نظر انداز کرتا ہے۔" لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا کے منصوبہ کے مطابق لوگ جس قدر دیندار ہوں گے ان کی سیاسی، سماجی اور معاشی شعبہ ہائے زندگی اسی قدر کامیاب ہوگی۔ مذہبیت منصوبہ رضا کا صرف ایک جزو نہیں بلکہ کامیابی کی بنیادی کلید ہے"

اور یہی سبب تھا کہ ہندی مسلمان ابتر حالت میں تھے۔ اور ان کی تضحیک ہو رہی تھی عہد امام احمد رضا میں لوگ مذہب کو پس پشت ڈال کر کفار کے پیچھے دوڑ رہے تھے کمیونٹی، اس کی معیشت اور اس کا سیاسی ڈھانچہ گرا پڑا تھا اور وہ کنگالی کی حالت میں تھے۔ مذہب کے سوا اور کوئی چیز انھیں بحالی نہیں عطا کر سکتی تھی نہ ہی انھیں متحد رکھ سکتی تھی۔ ان کی کوئی آزاد اور خود مختار تہذیب یا قیادت نہیں تھی نہ ہی قیادت کا کوئی مقصد اور شعور تھا۔

اکثر لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ مسلم مسائل کا جواب صرف اسلام کے پاس ہے وہ قطعاً درست ہیں۔ لیکن اس مسئلہ میں ہماری پالیسی بالکل واضح ہونی چاہیے کہ "اسلام بے شک اس کا جواب ہے اگر وہ امام احمد رضا کے ۱۹۱۲ء کے منصوبہ کا حصہ ہے"۔ صرف اور صرف اسلام ہی اس کا جواب ہو سکتا ہے۔ اس کی اساس ہے اصل عقیدہ و ایمان ورنہ نتیجہ غربت، جہالت اور رسوائی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اس منصوبہ میں مذہب متعدد طریقوں سے اعانت کرتا ہے۔ عصر جدید کے تقاضے بڑے سخت ہیں اور ان پر صرف اسلامی تہذیب کے فروغ سے ہی قابو پایا جا سکتا ہے۔ اگر علماء اور اولیاء احترام کے لائق سمجھے جاتے، انھیں بلند منصب دیا جاتا تو وہ خود تعلیم اور ذہانت کے فروغ سے دنیوی مسائل سے مقابلہ کرتے۔ ایک عالم کو آج کی گڑبڑی میں بے پایاں ذہانت کا پیکر ہونا چاہیے۔

مسلمانوں کو صرف جوشِ عقیدہ ہی تمام خوفناک مغرب زدگی اور عام مغربی تہذیب سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ یہ بیہودہ اور تباہ کن تہذیب اپنے پیروؤں کو برباد کر دیتی ہے۔ خاص طور سے نوجوانوں کو منشیات کی بری لت اور آوارگی سے صرف دل میں چمکنے والی عقیدہ کی روشنی ہی اس آفت سے بچا سکتی ہے۔

مسلمانوں کی سیاسی آزادی بھی اس جوش عقیدہ پر منحصر ہے۔ روحانی آزادی بہر حال حقیقی آزادی ہے۔ مذہب مسلمانوں کو خود اعتمادی عطا کرتا ہے۔ ایک طاقت ور سیکولر حکومت سے مقابلہ کرنے کا، اور اسے نظر انداز کرنے کی صلاحیت بھی عطا کرتا ہے

سیکولر اسٹیٹ سے مقابلہ آرائی کے لئے اعتماد کے ساتھ ساتھ ایسے قائدین بھی چاہئیں جو زبردست رسوخ اور عوامی حمایت کے حامل ہوں۔ مذہب قائد کو زبردست اختیار اور طاقت عطا کر سکتا ہے کہ وہ گورنمنٹ کو اپنے سامنے جھکا سکے۔ ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کس طرح خلفاء پر غالب ہونے کے لائق ہوئے تھے۔ لائق علماء اور اولیاء کو مسلمانوں کی سیاسی آزادی دلانے کے لئے بے پایاں ذہانت اور رسوخ کا مالک ہونا چاہئے۔

اور سیاست کی ابتدا لاکھوں عوام کی تنظیم سے ہوتی ہے۔ اور ان لاکھوں میں مذہب تنہا مسلمانوں کو تحریک دے سکتی ہے۔ آج برطانیہ میں صرف ایک سچا مذہبی اور فاضل عالم دین مسلمانوں کے لئے بے باکی سے حکومت کے سامنے بول سکتا تھا کہ جس طرح سے بیباکی کا اظہار ایک معمولی سیاسی شخص امید بھی نہیں کر سکتا۔ آج کی جدید دنیا میں بیشتر کمیونٹیاں اپنے اتحاد و یک جہتی کے معاملے میں صرف حکومتی اور قومی نظریات پر اعتماد کرتی ہیں اور صرف مذہب ہی اس طرح کے آدرشوں کو چیلنج کر سکتا ہے سختی اور کفایت کے ساتھ اور ان نظریات سے آزادی حاصل کرنے کا بنیاد فراہم کرتا ہے۔

مسلمانوں کے لئے حقیقۃً اللہ کی طاقت کے سوا کوئی طاقت نہیں۔ سنہ ۱۹۱۲ء کا منصوبہ سچ میں اسلام کی تجدید ہے۔ کمیونٹی کی توسیع کے لئے مذہب ہی سب سے بڑی طاقت ہے۔ اگر مذہب کی روشنی چمکتی ہے تو یہ ان لوگوں کو کمیونٹی میں واپس لائے گا جو عقیدہ کھو چکے ہیں اور پہلے کبھی مذہبی نہیں تھے۔ برطانیہ میں اسلام اکثریت کے مذہب کی حیثیت سے تبھی آسکتا ہے جب ان کی زندگیوں سے ایمان کا نور چمکے گا۔ مذہب ہی وہ مضبوط قلعہ ہے جو مسلمان کو آج کے بھیانک معاشرہ سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

سنہ ۱۹۱۲ء کا منصوبہ اہم ترین منصوبہ ہے اور مذہب اس کا اہم ترین جزو ہے۔ اگر مسلمان مذہبی ہوں گے تو وہ آزاد اور خود مختار ہو جائیں گے۔ جب تک وہ مذہب کی رسی کو مضبوطی سے نہیں تھامتے سچ میں آزادی میسر نہیں آسکتی۔ آج مغرب کی طرف توجہ اور مغرب زدگی سنہ ۱۹۱۲ء منصوبہ میں عملدرآمد کے لئے خاص مسئلہ بنا ہوا ہے۔ یقیناً مسلمان

یہ دیکھتے ہیں کہ وہ مغرب میں خوش آمدید نہیں کہے جاتے۔ لیکن اگر اس منصوبہ میں مذہب کو اولیت دی جاتی ہے تو کوئی طاقت اس کی مزاحمت میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ سیاست اور معیشت پر انحصار مسلمانوں کی سخت غلطی ہے جبکہ اصل طاقت اسلام خود ہے۔ امام احمد رضا کے مطابق مذہب کو اولیت دینے سے ہی سیاسی، معاشرتی اور معاشی بحالی ممکن ہے۔

مسلمان جن مسائل سے دوچار ہیں انھیں صرف اسلام ہی حل کرے گا۔ ان کے اعتماد، شعور اور احساس کی کمتری، تعصب سے مقابلہ آرائی کا اکیلا پن، فیملی اور کمیونٹی کی سقیم حالت، حقیقی بین الاقوامی بھائی چارے کی کمی وغیرہ سب کو صرف اسلام ہی ختم کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ مسلمان اسلام کی طرف رجوع کریں اور ۱۹۱۲ء منصوبہ پر عمل پیرا ہوں۔

لیکن اس منصوبہ کا مقصد صرف دنیوی کامیابی نہیں ہے۔ مقصد ہے پوری اسلامی زندگی کو اس کی تمام تر مسرتوں اور لوازمات کے ساتھ واپس لانا۔ یعنی مقصد ہے اس سچی قومی زندگی جینے کی جہاں طریقت پروان چڑھے۔ جمعہ اور عیدین مل جل کر ادا کئے جائیں۔ رمضان میں مل جل کر روزے رکھیں۔ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صوفیاء اور علماء کی قیادت میں جلوس نکالے جائیں۔ رزق حلال، کاروبار زیست اور صحیح اسلامی اداروں کو شریعت کی رو سے چلایا جائے۔ صرف اسی طرح کی کمیونٹی کامیاب ہو سکتی ہے۔ اور روشنی کی طرح چمکے گی۔ اور یہ صحیح معنوں میں اس زمین پر خدائی معاشرہ ہوگا۔ نسلی اور گروہی عصبیتیں ختم ہو جائیں گی

۱۹۱۲ء کا منصوبہ جیسا کہ ہم بخوبی دیکھ سکتے ہیں اپنے مرکزی حصہ کے ساتھ عوامی مذہبی تحریک کا متقاضی ہے۔ لیکن عام طور سے اس وقت اسلامی کہی جانے والی تحریکوں سے یہ جداگانہ ہوگی۔ وہ کمیونزم اور فسطائیت سے نقل کی گئی تحریک ہے جس میں مذہب بعد میں ہے۔ ان کی تحریک میں سیاسی ایجی ٹیشن اہم ہے۔ اور خصوصاً اس تحریک میں جسے اسلامی سیاسی پارٹیاں چلاتی ہیں۔ اس میں صرف چند پارٹی ممبران

اور لیڈران ہی کا کام ہوتا ہے۔

۱۹۱۲ء منصوبہ ان سب سے بالا پوری کمیونٹی کی ایک خالص مذہبی تحریک ہے ولہٰذا یہ ہر فرد کی تحریک ہے۔ یہ علما، جہلا، عوام و خواص، بالغ، نابالغ، عورت، مرد غریب و امیر ہر ایک کی تحریک ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کی مذہبی زندگی ہی اصلی زندگی ہے۔ لوگ صرف اسی وقت زیادہ سے زیادہ مذہبی اور اسلامی ہو سکتے ہیں جب وہ اس منصوبہ کی لازمی متقاضی سیاسی، معاشی اور سماجی سرگرمی پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ وہ اسے چلانے کے لئے مذہبی بن کر ہی سامنے آئیں گے۔ مثال کے طور پر اگر ایک خاندان مذہبی ہوجاتا ہے تو وہ مسجد جانے کے لئے اور حلال کھانے وغیرہ کے لئے کمیونٹی کے قریب ہی رہنے کی ضرورت محسوس کرے گا۔ یا اگر وہ تاجر ہے اور مذہبی بن جاتا ہے تو اپنے کاروباری معاملہ میں شریعت پر عمل کرنے کی ضرورت محسوس کرے گا۔ یا ایک بچہ مذہبی بننے کے لئے خود کی زندگی کو تعلیم دین کی ضرورت کے لئے وقف کردے گا۔

اس مقصد کے تحت کوئی بھی آج سے یا ابھی سے اس منصوبہ پر عمل درآمد کرسکتا ہے اسلام اس انقلاب کے بعد کی چیز نہیں بلکہ یہ اسلام ہے جس کے ذریعہ جلد سے جلد بہتر نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے۔ آج ایک خاتون مسلم دوکاندار سے سودا خریدنے کا فیصلہ کرکے زیادہ مذہبی بن سکتی ہے کیونکہ یہ اسلام ہی ہے جسکی وہ پیروی کرتی ہے اور جو یہ سکھاتا ہے کہ مسلمین و مسلمات اس کے بھائی بہن ہیں۔

"مذہب پہلے آتا ہے پھر کوئی بھی شے بغیر کوشش کے اس کی پیروی خود بخود کرتی ہے۔" امام احمد رضا نے اپنی پوری زندگی تحفظ اسلام اور کمیونٹی کی خاطر صرف کی۔ اور انھوں نے ہزار سالہ قدیم سنتوں کا سیکولرسٹ اور گمراہ مسلمانوں کے حملوں سے تحفظ کیا۔ اگر ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ مذہب اور مذہبی زندگی کے معنی کیا ہیں تو ہمیں امام کی زندگی اور ان کے کارناموں کا مطالعہ کرنا ہوگا اور ہم اپنے سوال کا جواب پالیں گے۔ اپنے عہد میں امام احمد رضا نے دہریت، کمیونزم اور سائنس کے حملوں سے محفوظ رکھ کر اصلی اسلام پیش کیا۔

کچھ لوگ امام احمد رضا کے نظریات سے یہ بحث کر سکتے ہیں کہ اصل اسلام کیا تھا؟ اور بلاشبہ آج کے عہد میں مذہب کو اس قدر اہمیت اور مرکزیت کوئی نہیں دے سکتا جس طرح امام احمد رضا نے دیا۔

امام احمد رضا کے منصوبہ میں اسے چلانے کے لئے دو طرفہ طور پر مذہب ہی مرکز ہے اور یہی اس منصوبہ کا مقصد ہے۔ کسی نے مذہب کو اس طرح کا منصب و مرتبہ نہیں بخشا جیسا امام احمد رضا نے۔ سیکولرسٹوں نے مذہب سے اس حد تک نجات حاصل کر لی جس حد تک وہ نجات حاصل کر سکتے تھے۔ کچھ نے کمیونسٹوں کی طرح لے دے کر اسے مٹا ڈالنے ہی کی کوشش کی۔ کچھ نے اسے "خالصتہً ذاتی معاملہ" میں گھٹانے کی سعی کی۔ سرسید احمد خاں جیسے مسلمانوں نے ان سیکولرسٹوں کی پوری پوری پیروی کی اور اسلام سے بحیثیت کمیونٹی چھٹکارا پانے کی خواہش کی اور مغربی تہذیب کو اپنایا۔ اور اسی طرح ان جیسے لوگوں نے مذہب کو زندگی کے امور سے دور کرنے کا اصرار کیا۔ تبلیغی جماعت جیسے لوگ خود کو بہت ہی مذہبی ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن مذہب انکے لئے صرف ایک ذاتی شے ہے۔ اور ان کا مقصد مسلم قومیت والی زندگی کو چھوڑ کر جنرل سوسائٹی میں شمولیت اختیار کرنا ہے۔ بہت سے مسلم فرقے ظاہراً بہت مذہبی دکھائی پڑتے ہیں۔ لیکن ان کا مقصد خود کو مسلم کمیونٹی سے دور ایک علٰحدہ فرقہ کی حیثیت سے رہنا ہے۔ کیونکہ وہ بہت تنگ نظر ہیں۔ وہ اس دنیا میں اسلام اور مسلموں کو ایک جگہ نہیں دے سکتے۔ ان کا مذہب ایک نجی معاملہ ہے جسے وہ ایک کلب کی طرح جیسا کہ انکا فرقہ ہے چلاتے ہیں۔

آج چند مسلمان جو اسلامی انقلاب چلانا چاہتے ہیں اور اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں وہ مسلمانوں سے ان کی حمایت کی خاطر زبردست مذہبی اپیل کرتے ہیں۔ لیکن وہ اکثر مسلمانوں کی زندگی سے مذہب کے مقدار کو کاٹ دینا چاہتے ہیں۔ وہ دین کے پانچوں ستون کو پسند نہیں کرتے اور ان مسلمانوں کو ہدف تنقید بناتے ہیں جو صرف نماز پڑھتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کو مذہب چھوڑ کر سیاست کی طرف موڑنا چاہتے ہیں

اور ان کا مقصد ہے مسلمانوں کو اپنی پارٹی کا ممبر بنانا اور پارٹی کے لئے کام لینا جو دراصل لینن کی پارٹی کے طرز پر بنائی گئی ہے۔ اس حالت میں ایک مسلمان روزہ نماز کے بجائے پوسٹر چپکا رہا ہوگا اور گھوم گھوم کر نعرے لگا رہا ہوگا۔ دراصل ان کا منصوبہ مکمل مذہبی زندگی نہیں ہے۔ اگر وہ اپنے پلان میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو پورے ملک کی آبادی کو فیکٹریوں اور فارموں میں کام کرنے اور فوج میں جنگ کرنے کے لئے اسی طرح مامور کردیا جائے گا جس طرح اسٹالن نے روسیوں کو مشینی انداز میں یہ امور انجام دینے کے لئے بیل کی طرح جوت دیا جاتا تھا۔ اب مذہب کے لئے کوئی موقع نہ ہوگا اور نہ ہی ذکر وفکر اور طریقت کے لئے کوئی جگہ ہوگی۔ لہذا ان اسلامی جماعتوں کے پیروؤں کے لئے ایک نعرہ ہوگا اور زندگی میں مذہب کا کوئی مقام نہ ہوگا۔

آج اس طرح کی مسلم سیاسی جماعتیں ہیں جو مسلمانوں سے ووٹ کی اپیل کرتی ہیں اور انھیں صرف رائے دہندوں کی جماعت بنانا چاہتی ہیں جو انھیں ووٹ دیں اور ان کی حمایت کریں تاکہ وہ ممبر پارلیمنٹ اور صاحب اختیار واقتدار بن جائیں۔ وہ مسلمانوں کو مذہبی نہیں بنانا چاہتے ہیں۔ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان صرف اس سے باخبر رہیں کہ وہ کون ہیں؟ اسلام ان کے لئے صرف ایک نسلی پہچان اور فرقہ وارانہ قومیت ہے اور بس! مسلمان جب تک الیکشن کے مواقع پر انھیں ووٹ دیتے ہیں انھیں اس کی ہرگز پرواہ نہیں ہوتی کہ مسلمان شریعت پر عمل پیرا ہیں یا کسی بھی طرح سے مذہبی ہیں کہ نہیں؟

لیکن دوسری جانب ۱۹۱۲ء کا منصوبہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ مذہبی بنانے کے لئے امید افزا ہے۔ اگر علماء واولیاء کی قیادت والا مسلم جزیرہ پروان چڑھتا ہے پوری تہذیبی خود مختاری کے ساتھ تو لوگ زیادہ مذہبی ہوجائیں گے۔ مذہبی لیڈر ہوں گے۔ سیاسی ومعاشی زندگی مذہب سے مرتکز ہوگی اور مذہب دن بدن نکھرتا جائے گا جو کسی نجی طرح کی چیز یا محض نیشنلزم نہ ہوکر صحیح معنوں میں اسلام ہوگا۔ اولیاء اور تصوف لوگوں میں روحانیت اور پاکیزگی بھر دیں گے۔

اگر ۱۹۱۲ء منصوبہ عمل میں لایا جاتا تو زندگی اور مذہب ایک ہوتے۔ اسلام کی حقیقی تجدید ہوتی اور ایک سچے مذہب کے ساتھ زندگی پوری طرح مذہبی اجتماعیت کے ساتھ بسر کی جاتی۔

یہ کمیونٹی کس طرح روشن اور منور ہوتی اگر مسلمان صرف دولت مند اور بااختیار ہوتے۔ وہ آج اسی طرح سے نفرت و عداوت کے شکار ہوتے جس طرح امریکہ میں یہودی ہیں۔ لیکن اگر مسلمان صحیح معنی میں مذہبی ہوتے، ان کا معاشرہ مذہبی ہوتا تو وہ اپنے مذہب کی خوشحالی کے سبب اسی طرح سراہے جاتے جس طرح آج متحدہ ریاست ہائے امریکہ اپنی دولت اور آزادی کے لئے سراہا جاتا ہے۔

اور یہ منصوبۂ امام احمد رضا اس جدید دنیا کے مسلمانوں کے لئے ایک عجیب و غریب عطیہ ہے۔ وہ کس قدر بے پایاں ذہین تھے۔ گزشتہ دو صدیوں میں مذہب مرسا گیا تھا۔ بہت سے لوگ دہریے ہو گئے ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ المیہ یہ ہے کہ کچھ مسلمان اپنے مذہب پر مکمل عقیدہ نہیں رکھتے اور نہ ہی دنیوی زندگی میں مذہب کو برتتے ہیں۔ عام طور سے مذہب کو دہریت اور سیکولرزم کے نظریات اور رویوں کی چھوت لگ گئی ہے۔ یہودیت برترنسلیت کی بنیاد پر مذہب سے زیادہ نسلی ہو گئی ہے۔ عیسائیوں نے جدید سیاست اور سماجی نظریے کے سامنے خود کو سپرد کر دیا ہے۔ اور اسی لئے اب وہ عورتوں اور نسائیت کو عیسیٰ علیہ السلام کی بہ نسبت زیادہ خوش کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

مغربیت کا مطلب ہے زندگی سے مذہب کو پورے طور سے مٹا ڈالنا۔ جو مادیت، تلذذ اور میڈیا کی تلاش سے مغلوب ہے۔

امام احمد رضا کا مقصد تھا دین و ملت کی بحالی اور پاکیزہ مسلم معاشرہ کی تعمیرِ نو۔ اگر رضا کا ۱۹۱۲ء منصوبہ کامیاب ہوتا ہے تو دنیا میں ایک سچے مذہب کی واپسی ہوتی ہے کہاوت ہے چونکہ مذہب مر چکا ہے۔ اس لئے انسان مر چکا ہے اور انسانیت اپنی روح کھو چکی ہے اور اسے زندگی صرف عبادت سے پر دولت اور اقتدار سے مل سکتی ہے۔